Regd.# MC-1366

دینی، اخلاقی اور معاشرتی اقدار کا علمبردار

ماہنامہ

فہمِ دین

•جلد 10 / •شمارہ 08 / •فروری / 2021

کامیاب انسان

تربیتِ اولاد

محبت کو بھی قرار آگیا

سفینہ
برگِ گل

میا نہیں تو....!

BAITUSSALAM PUBLICATIONS
WWW.BAITUSSALAM.ORG/BS/PUBLICATIONS
91400056741

Baitussalam.org Baitussalam_org Baitussalam_org +9221-111-298-111

BAITUSSALAM

Perfect®
Freshener
رہو خوشبوؤں میں

Perfect روح پرور لمحات
عود الحرم کے ساتھ

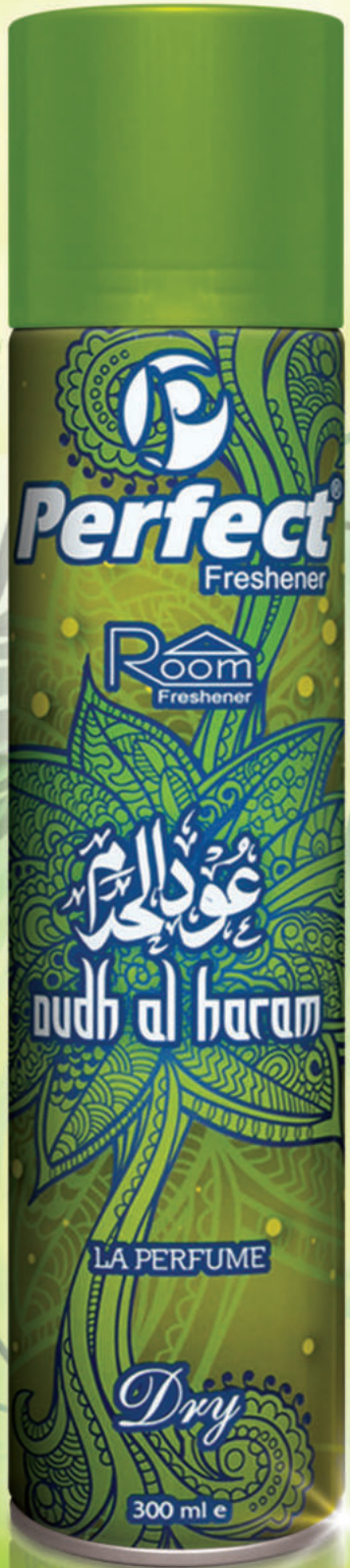

Manufactured by:
Perfect Aerosol Industries (Pvt) Ltd.
perfectairfreshener PFreshener www.se.com.pk

ماہ نامہ

فہمِ دین

کراچی

فروری 2021

فہم و فکر

محبت کو بھی قرار آگیا	مدیر کے قلم سے	04

اصلاحی سلسلہ

فہم قرآن	شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم	05
فہم حدیث	مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ	06
آئینہ زندگی	حضرت مولانا عبد الستار حفظہ اللہ	08

مضامین

کامیاب انسان بننے کا نسخہ	حضرت مفتی رضاء الحق دامت برکاتہم	10
تربیت اولاد	ام محمد مصطفیٰ	12
حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا	ندا اختر	15
امراض دل	حکیم شمیم احمد	16
مسائل پوچھیں اور سیکھیں	مفتی محمد توحید 18	غیروں سے مشابہت عمارہ فہیم 20
ثبات فقط تغیر کو ہے زمانے میں	ابو عاتکہ توحید 22	جاں نثارِ صحابہ سلیم اللہ لقمان 22

خواتینِ اسلام

سفینہ برگ گل	ام نسیبہ 24	ندامت کے آنسو	رومیصا اسلم 28
آزادی کے لیے قربانی	اہلیہ محمد فیصل 26	کامیابی	تسلیم شیخ 30
ایک نامہ آپ کے نام	فرح مصباح 27	محبت کی کرنیں	کائنات غزل 31
کیسی پسند	ارم شمیم 28	سرپرائز	نبیلہ شہزاد 32

باغچہ اطفال

بہار کے رنگ	محمد فیصل علی 34	شتر مرغ	فوزیہ خلیل 39
آئس کریم کی شیدائی	ام حفصہ عمران 35	بچوں کے فن پارے	40
شکر گزار مانی	تنزیلہ احمد 36	انعامات ہی انعامات	41
عقل بڑی کہ بھینس	ڈاکٹر الماس روحی 37		

بزمِ ادب

اے وادی کشمیر	شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم	42
کلدستہ	ابو بکر، عبد الرحمان	44

اخبار السلام

سرمار یلیف	خالد معین	46

زیر سرپرستی

حضرت مولانا عبد الستار حفظہ اللہ

مدیر	محمد خرم شہزاد
نائب مدیر	قاری عبد الرحمن
ناظم	خالد عبد الرشید
نظرِ ثانی	طارق محمود
تزئین و آرائش	نوید فرید

آراء و تجاویز کے لیے

0304-0125750

ڈاک سے متعلق امور کے لیے

0323-3229313 | 021-35393912

اشتہارات کے لیے

0314-2981344

marketing@fahmedeen.org

خط و کتابت اور بذریعہ منی آرڈر رسالے کے اجرا کے لیے

C-26 گراؤنڈ فلور، سن سیٹ کمرشل اسٹریٹ نمبر 2، خیابانِ جامی، بالمقابل بیت السلام مسجد، ڈیفنس فیز 4 کراچی

زرِ تعاون

فی شمارہ :	40 روپے
سالانہ فیس :	520 روپے
بیرون ملک بدل اشتراک :	35 ڈالر

ناشر	مطبع	مقام اشاعت
فیصل زبیر	واسا پرنٹرز	دفتر فہمِ دین

مدیر کے قلم سے

محبت کو بھی قرار آگیا

بھولے بھالے لوگ آج تک "باڈر کے اس پار" کو نہیں سمجھ سکے۔ نہ جانے کب اَن جانے میں بارڈر کراس ہو جاتا ہے' اس کا احساس تک نہیں ہوتا۔

خودداری' رکھ رکھاؤ' باوقار رہنا' یہ تو ایک انسان کے لیے زینت کی چیز ہے' لیکن یہ کب تکبر میں تبدیل ہو جاتی ہے' اس کا پتا نہیں چلتا۔

تواضع' عاجزی' نرم خوئی' دوسروں کی خدمت یہ سب بھی تو دُنیا میں قابلِ تعریف ہیں' لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ دوسروں کے سامنے خود کو ذلیل بھی کیا جائے۔

ایسے ہی محبت' دوسروں کا احساس اور احترام یہ انسانیت کے ماتھے کا جھومر اور ایک اچھے مسلمان ہونے کی علامت ہے'

مگر یہ جذبہ کب دہلیز پار کر کے ہَوَس کی چادر اوڑھ لیتا ہے اور آوارگی بن جاتا ہے' رشتے تو پامال ہوتے ہی ہیں' محبت خود رُسوا ہو جاتی ہے۔

لوگ محبت کے نام پر ہَوَس پالتے ہیں۔ محبت کے نام پر دھوکا دیتے ہیں۔ محبت کے نام پر وقتی تسکین چاہتے ہیں۔ محبت کے نام پر خود غرض ہو جاتے ہیں۔ یہ جانتے تک نہیں کہ محبت ہے کس چیز کا نام۔ حتیٰ کہ محبت کے نام پر خود کو اور دوسروں کو برباد کر دیتے ہیں۔ کیا بھلا کسی کی عزت پامال کرنا محبت کہلا سکتی ہے؟ کیا غیروں کی بانہوں میں جھولنا محبت کی توہین نہیں ہے؟ جوانی بہا دینا' شباب اڑا دینا' معصوم کلیاں مَسل دینا اگر یہ محبت ہے تو پھر آوارگی کیا ہے؟

محبت دیرپا ہوتی ہے۔ محبت عمر بھر نبھائی جاتی ہے۔ محبت صرف جوانی کے چونچلے نہیں' بلکہ بڑھاپے کا سہارا بھی ہوتی ہے۔ محبت بے قیمت نہیں ہوتی' مگر غیروں سے بولے گئے میٹھے بول اور دیے گئے چند ٹکوں کے پھول کہاں سے محبت کی قیمت ٹھہرنے لگے؟ اس کی قیمت ادا کرتے کرتے باپ کے بالوں میں سفیدی آجاتی ہے' ماں اپنی ساری خواہشات قربان کر کے اس کی قیمت ادا کرتی ہے۔ محبت صرف خوشی نہیں' غموں میں بھی شریک ہوتی ہے۔ محبت اے ٹی ایم مشین نہیں' یہ اَن مول ہے' والدین کو دیکھیے' اپنا پیٹ کاٹ کر اولاد کو محبت دیتے ہیں۔

محبت کا مرکز دِل ہے اور دِل میں بسائے جانے کے لائق بس ایک ہستی ہے' جو شہ رگ سے زیادہ قریب ہے' جو بے قرار دِلوں کی پکار سنتی ہے' جس کو یاد کرنے سے دِلوں کو سکون ملتا ہے' جس نے ہمارے ارد گرد والدین' بہن بھائی' دادا' دادی' پھوپھو' خالہ' ماموں' چچا کے پیارے پیارے رشتے دیے' ان رشتوں کو مقدس بنایا' نظروں کو حیا دے کر خاندانی نظام اور پوری کائنات کو برباد ہونے سے بچایا' جی وہ ہستی اللہ تعالیٰ کی ذاتِ گرامی ہے۔

محبت صدیوں بھٹکتی رہی۔ لوگ زمانہ جاہلیت کی ہَوَس پرستی اور شہوت رانی کو ہی محبت سمجھتے رہے۔ پھر محمد رسول اللہ ﷺ تشریف لائے' بھٹکتی محبت کو بھی قرار آگیا۔ نبی کریم ﷺ نے خالقِ کائنات سے ایسے محبت کر کے دِکھائی کہ رہتی دُنیا تک کے لیے "مثالی نمونہ" بن گیا۔ صدیقِ اکبرؓ سے بڑھ کر نبی کریم ﷺ کا جاں نثار بھلا اور کون ہو سکتا ہے' مگر اللہ کے نبی ﷺ نے زندگی کے آخری لمحات میں یہ فرما کر محبت کا محل سمجھا دیا کہ **لَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا مِنْ أُمَّتِي خَلِيلًا لَاتَّخَذْتُ أَبَابَكْرٍ وَلَكِنْ أَخِي وَصَاحِبِي (رواہ مسلم)** کہ اگر میں دُنیا میں کسی کو دِل دیتا تو وہ صدیقِ اکبرؓ ہوتے' لیکن وہ بس میرے بھائی اور ساتھی ہیں۔ محدّثین نے اس کی وضاحت میں لکھا کہ نبی کریم ﷺ نے دِل صرف اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے کے لیے خاص کر رکھا تھا۔

صحابہ کرامؓ نے بھی رحمتِ دو عالم ﷺ سے ایسی محبت کر کے دکھائی کہ اماں عائشہ صدیقہؓ کہنے پر مجبور ہو گئیں کہ حسنِ یوسفؑ کو دیکھ کر مصر کی عورتوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے تھے' میرے محبوب ﷺ کے حسن کو دیکھ کر تو چاہنے والوں نے گردنیں کٹوا دیں۔ اسی بات کو ایک عربی شاعر نے یوں کہا ہے:

لَوَائِمُ زُلَيْخَا لَوْ رَأَيْنَ جَبِيْنَهُ ۔۔۔ لَآثَرْنَ فِي الْقَطْعِ الْقُلُوْبَ عَلَى الْيَدِ

زلیخا کو لعنت ملامت کرنے والی عورتیں اگر نبی کریم ﷺ کے چہرۂ انور کو دیکھ لیتیں تو پھر وہ صرف اپنے ہاتھوں پر چھریاں نہ چلاتیں' بلکہ دِلوں کو پارہ پارہ کر لیتیں۔ بہر حال رحمۃ للعالمین محمد رسول اللہ ﷺ واقعی ایسی شخصیت تھے اور ہیں' جن سے محبت کر کے خود محبت کو بھی قرار آگیا۔ اب دُنیا کا کوئی شخص جتنے چاہے مجاہدے کر لے' اس وقت تک اللہ کا ولی بن نہیں سکتا' جب تک خاتم النبیین ﷺ کے طریقوں پر چل کر اللہ سے محبت کر کے نہ دِکھلا دے۔

قارئین گرامی! ویلنٹائن ڈے کے لفظ کا تو مطلب بھی آدھی دُنیا کو نہیں پتا اور پوری دُنیا کو پاگل بنا رکھا ہے۔ اگر پتا بھی ہے تو وہ کوئی عشقِ مجازی کی کہانی نہیں' بلکہ بدکاری کی داستان ہے اور ہم لگے اپنی محبت کی ہُما اس کے سر بٹھانے۔ اگر محبت کرنی ہے تو ڈھنگ سے تو کرنی چاہیے۔ رکھ کر دیکھیں نا سجدے میں سر' چل کر دیکھیں نا نبی ﷺ کی سنت پر' اپنا کر دیکھیں نا نبی کریم ﷺ کی شکل و شباہت کو' پھر دیکھیں دُنیا والوں کے طعنوں کے بیچوں بیچ کیسے محبت کا لطف دوشالہ ہوتا ہے۔ والسلام

اخوکم فی اللہ
محمد خرم شہزاد

فہمِ قرآن

النساء 53-59

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم

أَمْ لَهُمْ نَصِيبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَإِذًا لَّا يُؤْتُونَ النَّاسَ نَقِيرًا 53

ترجمہ: تو کیا ان کو (کائنات کی) بادشاہی کا کچھ حصہ ملا ہوا ہے؟ اگر ایسا ہوتا تو یہ لوگوں کو گٹھلی کے شگاف کے برابر بھی کچھ نہ دیتے۔ 53

تشریح نمبر1: یہودیوں کی مسلمانوں سے دشمنی اور عناد کا سبب قرآن کریم نے یہ بیان فرمایا ہے کہ انھیں یہ توقع تھی کہ جس طرح پچھلے بہت سے انبیاء کرام بنی اسرائیل میں سے آئے ہیں، نبی آخر الزمان بھی انہی کے خاندان میں سے ہوں گے، لیکن جب آں حضرت ﷺ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے مبعوث فرمائے گئے تو یہ لوگ حسد میں مبتلا ہوگئے، حالاں کہ نبوت اور خلافت وحکومت تو اللہ تعالیٰ کا ایک فضل ہے، وہ جب جس کو مناسب سمجھتا ہے اپنے اس فضل سے سرفراز فرماتا ہے۔ اگر کوئی شخص اس پر اعتراض کرے تو گویا وہ یہ دعویٰ کررہا ہے کہ کائنات کی بادشاہی اس کے پاس ہے اور اسی کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ اپنی پسند سے انبیا کو منتخب کرے۔ اللہ تعالیٰ اس آیت میں فرماتے ہیں کہ اگر کہیں بادشاہی واقعی ان کو مل گئی ہوتی تو یہ اتنے بخیل ہیں کہ کسی کو ذرّہ برابر بھی کچھ نہ دیتے۔

أَمْ يَحْسُدُونَ النَّاسَ عَلَىٰ مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ
فَقَدْ آتَيْنَا آلَ إِبْرَاهِيمَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَآتَيْنَاهُم مُّلْكًا عَظِيمًا 54

ترجمہ: یا یہ لوگوں سے اس بنا پر حسد کرتے ہیں کہ اللہ نے ان کو اپنا فضل (کیوں) عطا فرمایا ہے؟ سو ہم نے حضرت ابراہیم علیہم السلام کو کتاب اور حکمت عطا کی تھی اور انھیں بڑی سلطنت دی تھی۔ 54

تشریح نمبر2: یعنی اللہ تعالیٰ اپنی حکمت کے تحت جس کو مناسب سمجھتا ہے نبوت اور خلافت وحکومت کے اعزاز سے سرفراز فرماتا ہے، چناں چہ اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نبوت وحکمت عطا فرمائی اور ان کی اولاد میں یہ سلسلہ جاری رکھا، چناں چہ ان میں سے بعض (مثلاً حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام) نبی ہونے کے ساتھ حکمران بھی بنے۔ اب تک ان کے ایک صاحب زادے (حضرت یعقوب علیہ السلام) کی اولاد میں نبوت وحکمت کا سلسلہ جاری رہا ہے۔ اب اگر ان کے دوسرے صاحب زادے (حضرت اسماعیل علیہ السلام) کی اولاد میں حضرت محمد ﷺ کو یہ اعزاز بخش دیا گیا ہے تو اس میں اعتراض یا حسد کی کیا بات ہے؟

فَمِنْهُم مَّنْ آمَنَ بِهِ وَمِنْهُم مَّن صَدَّ عَنْهُ وَكَفَىٰ بِجَهَنَّمَ
سَعِيرًا 55

ترجمہ: چناں چہ ان میں سے کچھ ان پر ایمان لائے اور کچھ نے ان سے منہ موڑ لیا اور جہنم ایک بھڑکتی آگ کی شکل میں (ان کافروں کی خبر لینے کے لیے) کافی ہے۔ 55

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا سَوْفَ نُصْلِيهِمْ نَارًا
كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُودُهُم بَدَّلْنَاهُمْ جُلُودًا غَيْرَهَا
لِيَذُوقُوا الْعَذَابَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَزِيزًا حَكِيمًا 56

ترجمہ: بے شک جن لوگوں نے ہماری آیتوں سے انکار کیا ہے، ہم انھیں آگ میں داخل کریں گے، جب بھی ان کی کھالیں جل جل کر پک جائیں گی تو ہم انھیں ان کے بدلے دوسری کھال دے دیں گے، تاکہ وہ عذاب کا مزہ چکھیں۔ بے شک اللہ صاحبِ اقتدار بھی ہے، صاحبِ حکمت بھی۔ 56

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ
تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا
لَّهُمْ فِيهَا أَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيلًا 57

ترجمہ: اور جو لوگ ایمان لائے ہیں اور انھوں نے نیک عمل کیے ہیں، ان کو ہم ایسے باغات میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، جن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ وہاں ان کے لیے پاکیزہ بیویاں ہوں گی اور ہم انھیں گھنی چھاؤں میں داخل کریں گے۔ 57

تشریح نمبر3: اشارہ اس طرف ہے کہ جنت میں روشنی ہوگی، مگر دھوپ کی تپش نہیں ہوگی۔

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَن تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُم بَيْنَ النَّاسِ أَن
تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ إِنَّ اللَّهَ نِعِمَّا يَعِظُكُم بِهِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ سَمِيعًا بَصِيرًا 58

ترجمہ: (مسلمانو!) یقیناً اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم امانتیں ان کے حق داروں تک پہنچاؤ اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔ یقین جانو! اللہ تم کو جس بات کی نصیحت کرتا ہے، وہ بہت اچھی ہوتی ہے۔ بے شک ہر بات کو سنتا اور ہر چیز کو دیکھتا ہے۔ 58

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ
فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ
وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا 59

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی بھی اطاعت کرو اور تم میں سے جو لوگ صاحبِ اختیار ہوں، ان کی بھی، پھر اگر تمہارے درمیان کسی چیز میں اختلاف ہوجائے تو اگر واقعی تم اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو اسے اللہ اور رسول کے حوالے کردو۔ یہی طریقہ بہترین ہے اور اس کا انجام بھی سب سے بہتر ہے۔ 59

تشریح نمبر4: "صاحبِ اختیار" سے مراد اکثر مفسرین کے مطابق مسلمان حکمران ہیں۔ جائز امور میں ان احکام کی اطاعت بھی مسلمانوں کا فرض ہے، البتہ یہ اطاعت اس شرط کے ساتھ ہے کہ وہ کسی ایسی بات کا حکم نہ دیں جو شرعاً ناجائز ہو۔ اس بات کو قرآنِ کریم نے دو طرح واضح فرمایا ہے۔ ایک تو اس طرح کہ اصحاب اختیار کی اطاعت کا ذکر اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کے بعد فرمایا ہے، جس میں یہ اشارہ ہوگیا کہ حکمران کی اطاعت اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کے تابع ہے۔ دوسرے اگلے جملے میں مزید صراحت کے ساتھ بتادیا گیا کہ اگر کسی معاملے میں یہ اختلاف پیدا ہوجائے کہ آیا حکمرانوں کا دیا ہوا حکم صحیح اور قابلِ طاعت ہے یا نہیں تو اسے اللہ اور اس کے رسول کے حوالے کردو، جس کا مطلب یہ ہے کہ اس حکم کو قرآن اور سنت کی کسوٹی پر پرکھ کر دیکھو، اگر وہ قرآن وسنت کے خلاف ہو تو اس کی اطاعت واجب نہیں ہے اور حکمرانوں کا فرض ہے کہ وہ ایسا حکم واپس لے لیں اور اگر وہ حکم قرآن وسنت کے کسی صریح یا اجماعی طور پر مسلّم حکم کے خلاف نہیں ہے تو عام مسلمانوں کا فرض ہے کہ اس پر عمل کریں۔

فہم حدیث

مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

اللہ کے لیے محبت دراصل اللہ تعالیٰ کی تعظیم و عبادت ہے

عَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا أَحَبَّ عَبْدٌ عَبْداً لِلّٰهِ إِلَّا أَكْرَمَ رَبَّهُ عَزَّوَجَلَّ (رواہ احمد)

ترجمہ: حضرت ابو امامہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس بندے نے بھی اللہ کے لیے کسی بندے سے محبت کی، اس نے اپنے رب عزّوجل ہی کی عظمت و توقیر کی۔ (مسند احمد)

تشریح: یعنی کسی بندے کا کسی دوسرے بندے سے اللہ کے لیے اور اللہ کے تعلق سے محبت کرنا دراصل اللہ تعالیٰ کی عظمت کا حق ادا کرنا ہے اور اس طرح اس کا شمار اللہ تعالیٰ کی عبادات میں ہے۔

اللہ کے لیے آپس میں میل محبت کرنے والے اللہ کے محبوب ہو جاتے ہیں

عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ يَقُوْلُ: قَالَ اللهُ تَعَالٰى: وَجَبَتْ مَحَبَّتِيْ لِلْمُتَحَابِّيْنَ فِيَّ وَالْمُتَزَاوِرِيْنَ فِيَّ وَالْمُتَبَاذِلِيْنَ فِيَّ (رواہ مالك)

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میری محبت واجب ہے، ان لوگوں کے لیے جو باہم میری وجہ سے محبت کریں اور میری وجہ سے اور میرے تعلق سے کہیں جُڑ کر بیٹھیں اور میری وجہ سے باہم ملاقات کریں اور میری وجہ سے ایک دوسرے پر خرچ کریں۔ (مؤطا امام مالک)

تشریح: اللہ کے جن بندوں نے اپنی محبت و چاہت اور اپنے ظاہری و باطنی تعلق کو اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے تحت کر دیا ہے اور ان کا حال یہ ہے کہ وہ جس سے محبت کرتے ہیں اللہ کے لیے کرتے ہیں، جس کے پاس بیٹھتے ہیں اللہ کے لیے بیٹھتے ہیں، جس سے ملتے ہیں اللہ کے لیے ملتے ہیں، جو کچھ ایک دوسرے پر خرچ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ہی کی رضاجوئی کے لیے کرتے ہیں، بے شک اللہ کے یہ بندے اس کے مستحق ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی خاص رضا اور محبت ان کو نصیب ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے اس حدیثِ قدسی میں اللہ تعالیٰ کے اس بشارتی منشور کا اعلان فرمایا ہے کہ میرے ان بندوں کے لیے میری محبت واجب اور مقرر ہو چکی ہے، میں ان سے محبت کرتا ہوں، ان سے راضی ہوں اور وہ میرے محبوب اور پسندیدہ بندے ہیں۔

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: اَلْمُؤْمِنُ مَأْلَفٌ وَلَا خَيْرَ فِيْمَنْ لَا يَأْلَفُ وَلَا يُؤْلَفُ۔ (رواہ احمد والبیهقی فی شعب الایمان)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مؤمن تو الفت و محبت کا مرکز ہے اور اس آدمی میں کوئی بھلائی نہیں جو دوسروں سے الفت نہیں کرتا اور دوسرے اس سے الفت نہیں کرتے۔ (مسند احمد و شعب الایمان بیہقی)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ بندہ مؤمن کو اُنس و محبت کا مرکز ہونا چاہیے کہ وہ خود دوسروں سے محبت کرے اور دوسرے اس سے محبت کریں اور مانوس ہوں، اگر کسی شخص میں یہ بات نہیں ہے تو گویا اس میں کوئی خیر نہیں، نہ وہ دوسروں کو کوئی نفع پہنچا سکے گا اور نہ دوسرے لوگ اس سے نفع اٹھا سکیں گے۔ اس حدیث میں ان خشک مزاج منتقشف حضرات کے لیے خاص سبق ہے جو سب سے بے تعلق رہنے ہی کو دین کا تقاضا سمجھتے ہیں اور اس لیے نہ وہ خود دوسروں سے مانوس ہوتے ہیں اور نہ دوسروں کو اپنے سے مانوس کرتے ہیں۔ البتہ مؤمن کی یہ محبت و الفت اور دوسروں سے مانوس ہونا اور ان کو اپنے سے مانوس کرنا سب اللہ ہی کے لیے اور اس احکام کے تحت ہونا چاہیے۔ یعنی مَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

Shangrila®

THE FOOD EXPERTS!

ZAIQE SOHNI DHARTI KE!

www.shangrila.com.pk | ShangrilaPakistan | ShangrilaPakistan

حیا نہیں تو....!

حضرت مولانا عبدالستار حفظہ اللہ

شریعتِ محمدی کا امتیازی وصف

محمد رسول اللہ کی لائی ہوئی شریعت کا ایک امتیازی وصف اور ایک امتیازی شان ہے۔ آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے، ہر دین کا کوئی امتیازی وصف ہوتا ہے اس دین کی ساری تعلیم و تربیت اس کے گرد گھومتی ہے۔ جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیم تھی عفو درگزر، آپ کی ساری تربیت و تعلیم اس کے گرد نظر آتی ہے۔ فرمایا: "میرے لائے ہوئے دین کا امتیازی وصف حیا ہے۔"

مسلمانوں کی ساری تعلیم و تربیت کی بنیاد یہ حیا ہی ہے۔ اللہ سے حیا اللہ کے بندوں سے حیا، محسنوں سے حیا، محسن اعظم سے حیا آپ نے یہ بھی فرمایا: "حیا اور ایمان دونوں جڑے ہوتے ہیں، جہاں ہوتے ہیں، اکٹھے ہوتے ہیں ان میں سے ایک چلا جائے۔ وہاں سے دوسرا بھی چلا جاتا ہے۔" حیا نہ ہو تو ایمان بھی نہیں رہتا۔

ایمان اعلیٰ درجے کا تو حیا بھی اعلیٰ درجے کی اور حیا تو ایمان ہی کا ثمرہ ہے۔ حیا ہونا علامت ہے ایمان ہونے کی۔ اگر حیا نہ ہو تو گویا ایمان کا درخت سوکھ چکا ہے۔ حیا ایمان کا پھل ہے اگر درخت سوکھ جائے تو پھل کیسے دے سکتا ہے۔ چوں کہ انسان کی شخصیت سازی اور اسلامی معاشرے کی تعمیر میں حیا کا سب سے اہم کردار ہے۔ اس لیے آپ ﷺ نے اس کے تحفظ کے لیے بہت زور دیا ہے۔ اس کی حفاظت کے لیے بہت ترغیب دی ہے۔ ایک نوجوان اپنے بھائی سے حیا کے معاملے میں تھوڑا سا ناراض ہو رہا تھا۔ جب شرم و حیا ہو تو آدمی کو بسا اوقات اپنا حق لینے میں بھی مشکل ہونے لگتی ہے تو اس کے بھائی نے اس کو ڈانٹا ایسی حیا و شرم پر حضور ﷺ نے فرمایا: "ڈانٹو مت! حیا تو ایمان ہے۔" اور ایک روایت میں ہے آپ نے فرمایا: حیا ایمان ہے اور ایمان کی جگہ جنت ہے۔ بے حیائی بے شرمی بدکاری ہے اور بدکاری کی جگہ جہنم ہے یہ جہنم کی طرف لے جانے والی ہے۔

سب سے بڑا تخریب کار کون؟

اسلامی معاشرے کی روح اور زندگی حیا کے ساتھ ہے۔ حیا ہے تو مسلمان ہے، حیا ہے تو مسلمانوں کا گھر ہے، حیا ہے تو مسلمان بیٹی ہے، حیا ہے تو مسلمان بہن ہے۔ حیا ہے تو مسلمان ماں ہے۔ مسلمان بچے کی جس نے تربیت کرنی ہے اگر اسی میں حیا نہیں تو قوم میں حیا کہاں سے آئے گی۔ پھر بھلا اسلامی معاشرے میں حیا کیسے ہو گی؟۔

اور جو اس معاشرے میں مسلمانوں کی شرم و حیا کے لیے خطرہ بنتا ہے اللہ نے اسے تنبیہ فرمائی ہے چناں چہ فرمایا: إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَنْ تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ جو لوگ معاشرے میں بے شرمی اور بے حیائی پھیلاتے ہیں لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ اللہ کی طرف سے ان کے لیے دردناک عذاب کا اعلان ہے۔

کسی کی جان لینا زندگی ختم کرنا یہ بھی تخریب کاری ہے۔ ایسا شخص امن اور سلامتی کا دشمن ہے اور جو مسلمانوں کا مال لوٹے، وہ بھی ظالم ہے لیکن اس سے بڑا تخریب کار اور اس سے بڑا ظالم اور اس سے بڑا دشمن وہ ہے جو مسلمان معاشرے سے حیا کو اچک لینا چاہتا ہے اور مسلمانوں کو بے حیائی اور فحاشی اور گندگی پر ڈالنا چاہتا ہے۔ اللہ نے کہا ہے إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَنْ تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ وہ لوگ جو مسلمان معاشرے میں مسلمان سوسائٹیوں میں بے حیائی کو پسند کرتے ہیں۔ سن لیں لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ان کے لیے دنیا و آخرت میں دردناک عذاب ہے۔ جو مسلمانوں کو اس دولت سے محروم کرنا چاہتے ہیں کہ جو چھن جائے تو بیٹی ماں کی نہیں رہتی، بیٹا باپ کا نہیں رہتا، شوہر بیوی کا نہیں رہتا، بیوی شوہر کی نہیں رہتی۔ خاندان بکھر جاتے ہیں گھر ٹوٹ جاتے ہیں۔ ماں باپ الجھتے نظر آتے ہیں، بیٹا اور باپ دست و گریبان نظر آتے ہیں۔ شرم و حیا کی یہی دولت چھن جانے سے سارا معاشرہ اکائیوں میں تقسیم ہو جاتا ہے۔ بنے بنائے گھر اجڑ جاتے ہیں۔ بیٹیاں ماں باپ کو داغِ فراق دے جاتی ہیں۔ بھرے بازار بھرے معاشرے میں بیٹا باپ کو رسوا کر دیتا ہے، ہنستے بستے گھر اجڑ جایا کرتے ہیں، طلاقوں کی کثرت ہوتی ہے، عدالتیں خلع کے دعووں سے بھر جایا کرتی ہیں اور اولادیں بے سہارا ہو جایا کرتی ہیں۔ اس لیے کہ وہ بڑے تخریب کار ہیں۔ مسلمان معاشرے پر بڑا ظلم ڈھاتے ہیں، جو مسلمانوں کی شرم و حیا کو چھین لینا چاہتے ہیں۔ وہ بہت بڑے تخریب کار اور ظالم ہیں اور اسلامی معاشرے اور مسلمانوں کے بہت بڑے دشمن ہیں۔

یہ کیسے مسلمان ہیں؟

شراب کے رسیا اور خنزیر کھانے والوں سے شرم وحیا کی امید رکھنا تو بے کار ہے نا' وہ تو اپنے اصل ہی کی طرف لوٹیں گے۔ خنزیر دھرتی کا سب سے بے حیا جانور ہے 'تو جو اس کے کھانے والے ہیں اور شراب پینے والے ہیں۔ ان سے شرم و حیا کی کیا امید رکھی جاسکتی ہے 'لیکن بد قسمتی ہے کہ ویلنٹائن ڈے جسے آپ یوں کہیں کہ بے شرمی کا دن بے حیائی کا دن ہے اور عیسائیوں کا تہوار ہے۔ لیکن آج اسے انہوں نے اس انداز سے 'اپنے کارندوں سے 'اپنے لوگوں سے 'اپنے ایجنٹوں سے مسلمان معاشرے کے دشمنوں سے ایسی محنت مسلمان معاشرے میں کرائی ہے کہ آج مسلمانوں میں ڈنکے کی چوٹ پر یہ دن منایا جانے لگا ہے۔

پہلے ایک طبقہ تھا جو بہت چپکے چپکے سے اور کہیں خلوت و تنہائی میں اندھیرے اور تاریکی میں یہ حرکت کیا کرتا تھا 'انہیں اوباش لڑکے کہا جاتا تھا 'انہیں اوباش لڑکیاں گردانا جاتا تھا 'لیکن ایسی محنت کرنے والوں نے اتنا پیسا خرچ کیا کہ آج ذرائع ابلاغ اس کے لیے پروگرام پیش کرتے ہیں اور بہت سارے ادارے اس کے لیے سامان مہیا کرتے ہیں 'اسکول کالج اور یونیورسٹیوں کے اندر اس کے لیے پروگرام ترتیب دیے جاتے ہیں اور یہ موبائل اس کے لیے سہولت کی مختلف شکلیں نکالتے ہیں اور مسلمان ٹھنڈے سانسوں سو رہا ہے۔

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

اسے یہ احساس ہی نہیں کہ اس کی بیٹی سے کیا دولت چھن گئی ہے 'اس کے بیٹے سے کتنا قیمتی سرمایہ چھن گیا ہے 'اسے فکر ہی نہیں کہ اس کے گھر سے کتنی بڑی دولت جاچکی ہے۔ اس کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی کہ میرے بیٹے اور بیٹیاں کس راہ پر چل پڑے ہیں۔

اور وہ احساس بھی مٹ گیا کہ دشمن نے کیسی کاری ضرب لگائی ہے اور کیسی تخریب کاری ہے مسلمان معاشرے پر اور کیسے سنگین حملے ہیں۔ اور کتنے بد بخت ہیں جو اس معاشرے کا شرم وحیا بھی لے گئے۔ احساس بھی لے گئے اتنی کثرت کے ساتھ اس بے حیائی کو پھیلایا جارہا ہے 'پہلے اکا دکا ایک خاص طبقہ تھا اور مسلمانوں کی نظروں میں وہ اوباش کہلایا کرتا تھا ایسے لوگ گندے چھچھورے 'اور برے کہلایا کرتے تھے لیکن اب تو یہ جس سطح پر یہ پروگرام مرتب ہونے لگے ہیں ایسا لگتا ہے حیا کا جنازہ ہی نکل چکا ہے۔ سرخ پھولوں کے سلسلے ہیں 'سرخ کارڈ ہیں 'سرخ چاکلیٹوں کی شکل میں تحفے تحائف ہیں اور گھروں میں علی الاعلان بیٹیاں اور بیٹے ذرائع ابلاغ پر دیکھتے ہیں پھر وہ خرمستیاں بھی سب ہوتی ہیں۔ اور یہ سب کچھ کرنے والے وہ ہیں جن کے مذہب اور دین وایمان کی تعلیمات ہی حیا ہے۔

ذرا سوچیے تو!

کبھی یہ سوچا ہے کہ اگر یہ سلسلہ یوں ہی بڑھتا رہا تو اس معاشرے کی کیا تصویر ہوگی جب شرم وحیا کو یوں بالائے طاق رکھ دیا گیا تو پھر غضب الٰہی کو دعوت دینے میں کسر ہی کیا رہ جائے گی۔ دیوث آدمی جنت میں نہیں جائے گا فرمایا اگرچہ نمازی ہو اگرچہ روزہ دار ہو دیوث پھر بھی جنت میں نہیں جائے گا جسے اپنی بیٹی بیوی اور بہنوں کے بارے میں فکر نہیں کہ کہاں جارہی ہیں کس سے مل رہی ہیں۔ لیکن سلو پوائزن نے زہر ایسا پھیلایا ایسا دکھلا دیا کہ اب یہ چیزیں پیشانی پر بل بھی لے کر نہیں آتیں ' کانوں پر جوں بھی نہیں رینگتی اگر بیس پچیس سال پہلے سینما گھروں کے سائن بورڈ پر نظر پڑ جائے تو کھلے عام بے شرمی کے یہ بورڈ دکھی کرتے تھے لیکن 'اب تو ہر گھر میں انہوں نے جگہ بنالی ہے بلکہ ہر ایک کو عادی بنالیا ہے اب وہ احساس ہی مٹتا چلا جا رہا ہے بلکہ گویا مٹ ہی گیا۔ یعنی وہ ساری گندگی جو کبھی صرف سینماؤں میں ہوا کرتی تھی اور جانے والے چھپ کر ' نظریں بچا کر جایا کرتے تھے آج وہ سب کو ان کی ہتھیلی پہ میسر ہے۔ پاس بیٹھے باپ اور قریب بیٹھی ماں کو پتا نہیں کہ اولاد کس گندگی میں دھنس چکی ہے بلکہ اب تو خود ماں باپ بھی اسی راہ پہ چل پڑے ہیں۔ ایک احساس نام کی دولت تھی 'وہ بھی مٹ گئی ہے گویا ہم بالکل تہی دامن ہوچکے ہیں۔

ہر شخص ذمے داری نبھائے

اللہ نے حلم کا معاملہ فرمار کھا ہے ورنہ ایسی بے شرمی اور بے حیائی پر تو قومیں زمین میں دھنس جایا کرتی تھیں 'آسمان سے پتھر برسا کرتے تھے۔ یہ تو اللہ کے نبی کی دعا ہے کہ قوم عمومی طور پر تباہی و بربادی کا شکار نہیں لیکن گندگیوں میں یہ قوم پیچھے نہیں رہی ہر آنے والے دن گندگی میں اضافہ ہی ہورہا ہے۔ یہ ہر شخص کی ذمے داری ہے ہر شخص اپنے دائرہ کار میں دیکھے کہاں کہہ سکتا ہے کہاں اپنا اختیار چلا سکتا ہے کہاں اپنی بات منوا سکتا ہے کہاں تک اپنی بات پہنچا سکتا ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ بے حیائی دوڑتے دوڑتے ایسے دن لے آئے کہ پھر ہم روکنا بھی چاہیں تو نہ روک سکیں 'سوائے اس کے کہ اندر ہی اندر ہڈیاں پگھلتی رہیں خون خشک ہوتا رہے اللہ نہ کرے کہ کبھی ایسا دن آئے 'آج موقع ہے ہم اپنے ارد گرد دیکھیں جہاں ہماری بات سنی جاسکتی ہے بات پہنچائی جاسکتی ہے اپنا اختیار استعمال کیا جاسکتا ہے اپنی آواز اٹھائی جاسکتی ہے مسلمان معاشرے کے ساتھ یہ ظلم اجاگر کیا جائے 'کبھی عیسائیوں کا تہوار کبھی ہندوؤں کی بسنت کی شکل میں تہوار مسلمان معاشرے میں یہ تہواریوں منائے جارہے ہیں جیسے یہ عیسائی ہوگئے ہیں یا ہندو ہو چکے ہیں۔

شکست براستہ ثقافت

1996 کی بات ہے کرکٹ کا ورلڈ کپ ہورہا تھا سونیا گاندھی نے بڑے فخر سے کہا تھا کہ ہم مسلمانوں کو میدانوں میں شکست تو نہیں دے سکے لیکن ہم نے اپنی ثقافت سے مسلمانوں کو شکست دے دی ہے۔ یعنی ہم سوچ کے ذریعے تو انہیں نہ ہرا سکے لیکن جو بے حیائی اور فحاشی ہم نے ان کے اندر ان کے معاشرے میں بھیجی ہے ان کے حکمرانوں سے لے کر ان کے ادنیٰ چوکیدار اور ملازم تک سب نے اس گندگی کو قبول کرلیا ہے۔

کرکٹ اور دوسرے کھیلوں کی افتتاحی تقریبات میں جو رنگ ڈھنگ اختیار کیا جاتا ہے یہ سب ہو ہی اس لیے رہا ہے کہ قوم کا احساس مٹ گیا ہے کاش آج کا نوجوان جان لے کہ یہ ہلاکت کا راستہ ہے اور جو مسلمان معاشرے میں اس انداز میں تخریب کاری کر رہے ہیں یہ مسلمان معاشرے کے سب سے بڑے دشمن ہیں۔ اور بہت بڑے تخریب کار ہیں ہمیں اس تخریب کاری کو بھی روکنا ہے تاکہ ہماری نسلوں کی حفاظت ہو سکے اللہ ہمیں ایمان کی دولت اور حیا کی دولت کی حفاظت کی توفیق نصیب فرمادے۔ آمین!

کامیاب انسان بننے کا نسخہ

مفتی رضاء الحق دامت برکاتہم

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِيْ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَاْتِيْنَكَ سَعْيًا

آپ کے سامنے میں نے یہ آیتِ کریمہ تلاوت کی‘ اس پر گفتگو کرنے سے پہلے میں یہ عرض کرنا چاہوں گا کہ مجھے افریقا میں بھی اور پاکستان میں بھی حضرت مولانا عبدالستار حفظہٗ اللہ کے تعلیمی نظام اور ان کی امدادی کاموں کے بارے میں علم ہوتا رہتا تھا۔ غائبانہ طور پر میں مولانا کا معتقد تھا۔ پھر غالباً پچھلے سال مردان میں مولانا امداد اللہ دامت برکاتہم کے ہاں ان سے پہلی ملاقات بھی ہوئی۔ اب اس سال پروگرام میں مولانا سے ملاقات اور اِن کے اداروں کو دیکھنا بھی شامل تھا‘ اس لیے آپ کے ہاں ابھی حاضری ہوئی ہے۔

اس آیتِ کریمہ میں حضرت ابراہیمؑ نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا: آپ مُردوں کو کس طرح زندہ فرماتے ہیں؟ اللہ نے پوچھا: کیا آپ کو یقین نہیں؟ عرض کیا: یقین ہے‘ مگر اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتا ہوں۔ یعنی علم الیقین ہے‘ مگر عین الیقین حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ علم کے کئی درجات ہیں۔ علم الیقین جو شنیدہ ہو‘ سنا ہوا۔ عین الیقین جو دیدہ ہو‘ جسے آنکھوں سے دیکھ لیا ہو اور حق الیقین جو چشیدہ ہو۔ جسے چکھ لے۔ حضرت ابراہیمؑ نے عرض کیا: میں عین الیقین حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آپ چار پرندوں کو لے لیں اور انھیں اپنے ساتھ مانوس فرمالیں اور پھر انھیں ذبح کر کے ہر پہاڑ پر اُن سب کا ایک ایک ٹکڑا رکھ دیں اور پھر اُن کو بلائیے تو سب آپ کے پاس دوڑ کر آئیں گے۔ یہ نہیں کہا کہ ”اُڑ کر آئیں گے“ کیوں کہ اس میں شبہ تھا کہ ممکن ہے کہ کوئی اور پرندہ اُڑ کر آگیا ہو۔ اس لیے دوڑ کر آئیں گے۔ وہ چار پرندے کون سے ہیں۔ مفسرین نے اُن کے نام ذکر کیے ہیں‘ ان کا تذکرہ ایک شعر میں ہے:

مور و مرغ‘ کوّا‘ کبوتر ‘ چار ہیں
مار دو‘ اُڑنے کو سب تیار ہیں

مفسرین حضرات نے ان چار پرندوں کو منتخب کرنے کی وجوہ بھی ذکر کی ہیں‘ جن میں ہمارے لیے بہت سے سبق ہیں۔

ایک تو مور ہے۔ مور کے کاٹنے کا مطلب ہے کہ اس کے اندر جو بری صفت ہے‘ اسے اپنے اندر سے کاٹ دو‘ اس سے تمھیں حیاتِ ابدی اور حیاتِ دینی ملے گی۔

سادگی اختیار کریں: مور اپنے پروں کو دیکھتا ہے اور اِدھر اُدھر ناچنا شروع کرتا ہے۔ اس میں ہمارے لیے سبق ہے کہ سادہ زندگی گزاریں اور نظافت اختیار کریں۔ خوب صورتی اور فیشن کا شوق کہ میرے پاس موبائل ہونا چاہیے تو اعلیٰ درجے کا۔ یہ شوق نہ ہو۔ یہ تو مور کی صفت ہے‘ اسے ابراہیمؑ نے کاٹ ڈالا۔

ایک مرتبہ انگلینڈ میں کسی پروفیسر نے طلبہ سے کہا: (طلبہ میں عیسائی‘ یہودی‘ سکھ اور مسلمان تھے۔) تم بتاؤ کہ تم میں سے زیادہ طہارت اور پاکی والا کون ہے؟ ایک مسلمان طالب علم نے کہا: مسلمان۔ استاد نے کہا: دلیل کیا ہے؟ شاگرد نے کہا: ہم پانچ وقت نماز کے لیے طہارت کرتے ہیں۔ اگر ضرورت ہو تو استنجا بھی کرتے ہیں۔ پھر جمعہ آتا ہے تو ہم غسل کرتے ہیں‘ اگرچہ سردی ہو۔ سنتِ مصطفیٰؐ ہے اور پاک صاف کپڑے پہنتے ہیں۔ صاف کپڑے جیسے میں نے دیکھا کہ سب طلبہ کرام سفید کپڑے پہنے ہوئے ہیں۔ تو عرض کرنے کا مقصد یہ تھا کہ آپ حضرات کے لیے ماشاء اللہ حضرت مولانا نے جنگل میں منگل بنایا ہے‘ اس سے آپ فائدہ اٹھائیے‘ زینت کے پیچھے نہ پڑیں‘ سیدھی سادی زندگی گزارا کریں‘ فقیروں والی زندگی۔ وہ فارسی شاعر کا شعر ہے:

نانِ جویں و خرقۂ پشمیں و آبِ شور
سیپارۂ قرآن و حدیث پیغمبری
ای نم کہ کفایت است کہ بروے حسد بُرد
جاہ و جلال خسرو مُلکِ سکندری
فقیرو گدا برابر نمی کنم
پشمی کُلاہِ خویش بصد تاج خسروی

یہ جو میں نے پشمین اور اون کے کپڑے پہنے ہیں یہ میں کسی تاج خسروی کے برابر نہیں سمجھتا‘ بلکہ میں اس کو اُس سے بہتر سمجھتا ہوں اور علامہ اقبال کے اشعار ہیں

نگاہ فقر میں شانِ سکندری کیا ہے
خراج کی جو گدا ہو وہ قیصری کیا ہے
اسی خطا سے عتابِ مُلوک ہے مجھ پر
جانتا ہوں‘ مآلِ سکندری کیا ہے
بتوں سے تجھ کو اُمیدیں‘ خدا سے نومیدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے؟
خوش آ گئی ہے جہاں کو قلندری میری
وگرنہ شعر مرا کیا ہے‘ شاعری کیا ہے؟

تو میرے بھائیو! سادگی اور صفائی اختیار کرو۔ صفائی کا مطلب ہے آپ کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے فضل سے اور حضرت مولانا دامت برکاتہم کی نگرانی میں بہترین عمارتیں عطا فرمائی ہے۔ ان سب کو آپ اس طرح سمجھیں جیسے اپنے گھر کے برتنوں کی حفاظت کرتے

حضرت علامہ محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ کے شاگرد خاص اور دارالعلوم زکریا جنوبی افریقا کے شیخ الحدیث حضرت مفتی رضاء الحق دامت برکاتہم گزشتہ دنوں جامعہ بیت السلام تشریف لائے۔ جامعہ کے استاذ مفتی محمد توحید نے اساتذہ و طلبہ سے آپ کا خطاب قارئین کے استفادے کے لیے مرتب کیا ہے (ادارہ)

ہیں۔اس کی زینت کو اس کی صفائی کو اپنے گھر کی صفائی کی طرح سمجھیں۔

دوسرا پرندہ مرغ ہے۔ مرغ کی بہت ساری عادتیں ہیں۔ میں دو تین بیان کرنا چاہوں گا۔

عالم با عمل بنیں : ایک یہ کہ ہمارے ہاں مرغ اذان تو دیتا ہے نماز نہیں پڑھتا' یعنی اذان تو دیتا ہے' مگر اس پر عمل نہیں کرتا' تو آپ حضرات بھی اگر علم تو حاصل کریں اور علم پر عمل نہ کریں تو آپ مرغ کی طرح بن جائیں گے۔ ابراہیمؑ نے مرغ کو ذبح کیا تھا۔ مرغ کی اس عادت کو ذبح کیا تھا کہ علم ہو اور عمل نہ ہو۔ اس لیے کہتے ہیں

اَلْعِلْمُ بِلَا عَمَلٍ عَقِيْمٌ وَالْعَمَلُ بِلَا عِلْمٍ سَقِيْمٌ
وَكِلَاهُمَا طَرِيْقٌ مُّسْتَقِيْمٌ

کہ اگر علم بغیر عمل کے ہو تو وہ بانجھ ہے' گویا کہ علم ماں ہے اور عمل بچہ ہے اور عمل نہ کرنے کا مطلب کہ وہ بانجھ ماں ہے اور عمل بغیر علم کے ہو تو ایسا عمل بیمار ہے اور جب علم اور عمل دونوں جمع ہو گئے تو یہ سیدھا راستہ ہے اور علمائے کرام فرماتے ہیں :

مَنْ تَفَقَّهَ وَلَمْ يَتَصَوَّفْ فَقَدْ تَفَسَّقَ،
وَمَنْ تَصَوَّفَ وَلَمْ يَتَفَقَّهْ فَقَدْ تَزَنْدَقَ
وَمَنْ جَمَعَ بَيْنَهُمَا فَقَدْ تَحَقَّقَ

جس نے علم کو حاصل کیا' تفقہ کا مطلب اِتقانُ العِلمِ والعَمَلِ علم بھی مضبوط ہو اور عمل بھی مضبوط ہو۔ اور صوفی نہیں بنا یعنی اپنے علم پر عامل نہیں بنا تو وہ فاسق ہے' جب اپنے علم پر عمل نہیں کرتا۔

اس لیے بخاری کی حدیث میں ہے کہ اس آدمی کے سر کو توڑا جا رہا تھا پھر ٹھیک ہو جاتا پھر توڑا جا رہا تھا جس نے قرآن کو حفظ کیا اور اس پر عمل نہیں کیا۔ اس کے برعکس جو عمل تو کرتا رہتا ہے' مگر صحیح علم حاصل نہیں کرتا' وہ دین سے ہٹ جاتا ہے۔ ہاں البتہ جس نے علم اور عمل دونوں کو جمع کیا تو وہ محقق بن گیا اور اللہ کے ہاں مقبول بن گیا۔

تو مرغ کی طرح نہ بنیں کہ اذان تو دے اور عمل نہ کرے۔

رزقِ حلال کھائیں : دوسری بات یہ ہے کہ مُرغ گندگی سے محبت کرتا ہے اور اس میں منہ مارتا ہے۔ مرغ کے سامنے دانے ڈالیں' وہ کھالیتا ہے اور اگر گندگی ہو تو گندگی بھی کبھی کبھی کھالیتا ہے۔ ہماری کتابوں میں لکھا ہے کہ دجاجۃ مخلاۃ جو صرف گندگی پر ہی گزارا کرتی ہیں تو پھر ذبح سے پہلے اسے چند دِن گھر میں روک لو اور صاف دانے دو' پھر اس کو ذبح کرو۔ یعنی گندی چیز حرام ہے' اس سے بچنا چاہیے اور حلال روزی کی کوشش کرنی چاہیے۔

ایک بزرگ نے واقعہ سنایا۔ پنجاب میں ایک مدرسہ تھا اس میں ایک ذہین طالب علم پڑھتا تھا' وہ انتہائی ذہین تھا۔ کچھ دن کے بعد وہ طالب علم کہنے لگا : میں تو یہاں سے جاؤں گا' میرا یہاں دل نہیں لگتا۔ مہتمم صاحب ایسے طلبہ کی قدر کرتے تھے۔ انہوں نے کہا : بھئی تمہیں کیا پریشانی ہے' سبق میں؟ یا کھانے میں؟ اس نے کہا : بس میرا یہاں دل نہیں لگ رہا۔ اس زمانے میں حضرت مولانا عبدالہادی دین پوری زندہ تھے۔ دین پور وہاں سے قریب تھی' وہ مہتمم صاحب اس طالب علم کو ان کے پاس لے گئے کہ یہ بہت اچھا طالب علم ہے اور اس کا یہاں دل نہیں لگ رہا۔ حضرت نے آنکھیں بند کیں اور فرمانے لگے بھائی جب آپ مدرسہ آ رہے تھے تو کسی ہوٹل میں کھانا تو نہیں کھایا؟ اس نے کہا : جی میں بھوکا تھا اور سامنے ہوٹل تھا' اس میں سے کھانا کھایا۔ فرمانے لگے : بس اس کھانے میں گڑبڑ تھی' اس لیے اب تم ہماری خانقاہ میں دو تین دن رہو۔ پھر وہ دو تین دن وہاں رہے' پھر اُن میں شوق پیدا ہوا۔ واپس اپنے مدرسے آ گئے اور پڑھنے لگے۔

تو مدرسے کی چیزوں کو بغیر اجازت استعمال کرنا ناجائز میں آتا ہے۔ آپ کو اس سے بچنا چاہیے۔

صفائی کو شعار بنائیں : تیسری بات مُرغ کے اندر یہ ہے کہ جہاں گندگی جمع ہو' وہاں آتا ہے اور اُسے پھیلاتا ہے۔ آپ بھی اگر گندگی پھیلائیں گے کہ ایک چیز یہاں ڈال دی' دوسری چیز وہاں ڈال دی اور کیلے کا چھلکا یہاں ڈال دیا۔ یہ بھی مرغ کی کیفیت ہے۔ اس کو بھی ابراہیم علیہ السلام نے ذبح کیا۔

تکبر سے بچیں : تیسرا پرندہ کوّا ہے۔ کوّے میں تکبر ہے۔ تکبر اس کو کہتے ہیں کہ آدمی میں ایک صفت نہ ہو اور پھر بھی وہ اسے اپنے میں سمجھ کر اپنے آپ کو بڑا سمجھنے لگے۔ اُڑنا اونچا چاہتا ہے' مگر شکار دوسرے کا کھاتا ہے۔ جب اونچا اڑنے کے قابل نہیں ہے تو پھر اس عادت کو ختم کریں۔ تکبر طالب علم میں نہیں ہونا چاہیے۔ تواضع اختیار کریں' تواضع کی برکت سے آپ کو برکتیں حاصل ہوں گی' علم مضبوط ہو گا اور اللہ تعالیٰ آپ کو بلندی نصیب کریں گے۔

باوقار رہیں : کوّے میں ایک عادت ہے کہ شور بہت کرتا ہے۔ بعض طالب علم شور کرتے ہیں' لیکن شور نہیں کرنا چاہیے۔ مسجد میں' درس گاہ میں آرام سے بیٹھیں۔

حرص سے بچیں : کوّے کی عادت ہے شکار نہیں کرتا اور دوسرے کے شکار کی تاک میں رہتا ہے تو آپ کوے والی صفت اپنے اندر نہ لائیں۔ دوسروں کے مال کی حرص دوسروں کی جاہ کی حرص۔ اللہ تبارک و تعالیٰ علم کی برکت سے آپ کو نوازیں گے۔ آج تک کوئی مولوی بھوک سے نہیں مرا۔ امام مسلمؒ کے حالات میں لکھا ہے کہ زیادہ کھانے کی وجہ سے وفات پا گئے۔ جبکہ وہ مشکوٰۃ پڑھ رہے تھے وہ حدیث یاد کر رہے تھے' اور کھجوریں کھاتے رہے تو بھوک سے ان شاء اللہ آپ نہیں مریں گے۔ بہر حال کوّے کے اندر کی حرص' شور اور غرور سے بچیں اور طالب علم بن کر رہیں۔

حصولِ علم کے لیے سفر کریں : چوتھا پرندہ کبوتر ہے' کبوتر کا آپ کو معلوم ہے کہ اُسے کبوتری کے ساتھ بڑی محبت ہوتی ہے۔ اپنے گھر والی کے ساتھ وہ اتنی محبت کرتا ہے کہ اور کسی کام کا نہیں رہتا۔ آپ یہ کام نہیں کریں گے۔ اس کو بھی ابراہیم علیہ السلام نے کاٹ ڈالا۔ گھر سے اتنی محبت نہ ہو' کہ تعلیم میں حرج ہو' اگر ہفتے کے بعد اجازت ہو تو ہفتے کے بعد جایا کریں' ورنہ دو ہفتوں کے بعد یا مہینے کے بعد گھر جایا کریں۔ جو مدرسے کا قانون ہو' اُس پر چلنے کی کوشش کریں اس لیے کہ قوانین بچوں اور طالب علموں کے لیے بنائے گئے ہیں۔ جنات کے لیے نہیں بنائے گئے۔ تو جیسے کبوتر کبوتری سے محبت کرتا ہے آپ کا گھروں سے تعلق اتنا زیادہ نہ ہو۔ میں یہ شعر سناتا رہتا ہوں :

تَغَرَّبْ عَنِ الْاَوْطَانِ فِيْ طَلَبِ الْعُلٰى
وَسَافِرْ فَفِي الْاَسْفَارِ خَمْسُ فَوَائِدٍ
تَفَرُّجُ هَمٍّ وَاكْتِسَابُ مَعِيْشَةٍ
وَعِلْمٌ وَاٰدَابٌ وَصُحْبَةُ مَاجِدٍ

کہ سربلندی کی تلاش میں وطن کو چھوڑنا ہی پڑے گا' سفر کرو' اس لیے کہ سفر سے پانچ اہم فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ ایک پریشانیوں اور غموں سے نکلنے کا راستہ ملتا ہے' روزی بھی ملتی ہے' علم بھی حاصل ہوتا ہے اور انسان آدابِ زندگی بھی سیکھ لیتا ہے اور اچھی صحبت بھی ملتی ہے۔

تو گھر کی زیادہ محبت والی کبوتر کی اس عادت کو بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کاٹ ڈالا۔ بس اتنا کافی ہے اور اب ان شاء اللہ جیسے مہتمم صاحب فرمائیں گے' اُس پر عمل کریں گے اللہ تعالیٰ آپ کو اور ہم سب کو عمل کی توفیق دے دے۔ آمین۔

تربیتِ اولاد

دس اہم باتیں

ام محمد مصطفی

پہلی بات: ہمارے ہاں عموماً داماد کی تلاش اس کا حسب، نسب اور مال و دولت مد نظر رکھ کر کی جاتی ہے حالاں کہ اولین ترجیح دین ہونا چاہیے۔ جب والدین نیک ہوں گے تو ان شاء اللہ اولاد بھی نیک ہو گی۔ مال و دولت، اور حسب نسب دیکھنا خلافِ شرع نہیں لیکن ان دونوں کے چکر میں دین کو پس پشت نہیں ڈالنا چاہیے، ورنہ اولاد کی تربیت کی کوئی ضمانت نہیں۔ یہ سوچ کر رسک لینا کسی طرح مناسب نہیں کہ "کیچڑ میں سے بھی کنول کھلتا ہے اور کوئلے سے بھی ہیرا نکل آتا ہے"

دوسری بات: شادی بیاہ کے تمام مراحل سنت کے مطابق ادا کرنے کی کوشش کرنا چاہیے، اگر کچھ جائز رسم و رواج کرنا بھی پڑ جائیں تو ان رسوم سے اجتناب برتنا چاہیے جن میں اللہ اور رسول کی نافرمانی ہو۔

تیسری بات: شادی کے بعد دونوں میاں بیوی کو اللہ تعالیٰ سے نیک صالح اولاد کے لیے دعا کرتے رہنا چاہیے، جس طرح اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ پیغمبر حضرت زکریا علیہ السلام نے صالح اولاد کے لیے دعا فرمائی: "اے میرے رب! تو اپنے پاس سے مجھے پاک باز اولاد عطا فرما، بے شک تو دعا کا سننے والا ہے۔"

ساتھ ساتھ نیک بزرگ اور گھر کے بڑوں سے خصوصی دعائیں بھی کرواتے رہنا چاہیے۔ ویسے دعائیں کروانے کی بجائے دعائیں لینے کا اہتمام اور فکر ہونی چاہیے جس کا بہترین طریقہ ان کی خدمت کرنا ہے۔ ان کی ضرورت کا خیال کرنا، انہیں تکلیف سے بچانا ہی ان سے دعائیں لینا ہے۔

چوتھی بات: جب حمل ٹھہر جائے تو اس نعمت کبریٰ پر میاں بیوی خوب خوب شکر ادا کریں۔ اولاد کو نیک بنانے کی نیت کریں۔ کل تک لڑکی کہلانے والی اب ماں بننے جا رہی ہے، اسے چاہیے کہ نماز اور تلاوت کا پہلے سے بڑھ کے اہتمام کرے، زبان، کان اور آنکھوں کے گناہوں سے بچنے کی پہلے سے زیادہ کوشش کرے۔ حرام مال سے بچنے کا خوب اہتمام کرے۔ اب اس کے پیٹ میں ایک گوشت پوست کا وجود تخلیق ہو رہا ہے۔ اس وجود کو جتنا معیاری مواد ملے گا، ویسا ہی وجود تخلیق ہو گا۔

جاننا چاہیے! تین اندھیروں کے اندر بچے کی تربیت شروع ہو چکی ہے۔ اگر ذرا سی بھی کوتاہی برتی تو کمی رہ جائے گی۔ جو اس پیارے وجود کو ضائع کرنے کے مترادف ہو گا۔

پانچویں بات: جب ننھے وجود کی آمد ہو جائے. نہلا دھلا کر دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہلانے کا اہتمام کیا جائے، اذان و اقامت کے بعد کسی نیک مرد یا عورت سے کھجور چبوا کر بچے کے تالو میں لگوانا چاہیے اور بچے کے لیے خیر و برکت کی دعائیں کروانی چاہییں۔ اس عمل کو "تحنیک" کہتے ہیں۔

حضرت اسما رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: "عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیدا ہوئے تو میں نے ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور منگوائی اور چبا کر لعاب مبارک عبداللہ بن زبیر کے منہ میں لگا دیا اور خیر و برکت کی دعا فرمائی۔"

چھٹی بات: بچے کے لیے اچھا سا نام تجویز کرنا چاہیے! جو پیغمبروں۔ صحابہ کرام اولیاء عظام کے نام پر ہو یا اللہ تعالیٰ کے نام سے عبد لگا کر ترتیب دیا گیا ہو جیسے عبداللہ، عبدالرحمٰن وغیرہ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "قیامت کے روز تمہیں تمہارے باپ کے ناموں سے پکارا جائے گا اس لئے بہتر نام رکھا کرو (مشکوۃ) اگر کبھی غلط نام رکھ دیا ہو تو تبدیل کر کے کر اچھا نام رکھنا چاہیے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غلط نام تبدیل فرما دیا کرتے تھے۔

ساتویں بات: ساتویں دن عقیقہ کرنا چاہیے، لڑکے کی طرف سے دو بکرے اور لڑکی کی طرف سے ایک بکرا ذبح کیا جائے۔ توفیق ہو تو بچے کے بال منڈوا کر اس کے برابر سونا یا چاندی خیرات کیجیے۔ یا حسب گنجائش کچھ رقم صدقہ کر دینا چاہیے۔

عقیقہ ایک طرح سے بچے کو بلاؤں سے محفوظ رکھنے کے لیے ہوتا ہے اور بال منڈوانا بھی بچے کے اوپر سے شیطانی وسوسوں کو دور کرنے کے لیے ہے، چوں کہ یہ بال پیدائشی بال ہوتے ہیں اس لیے ان کو جلد از جلد منڈوا دینا چاہیے۔ عموماً لوگ بال تو منڈوا لیتے ہیں لیکن عقیقہ کرنے میں بہت زیادہ تاخیر کرتے ہیں، جو نامناسب حرکت ہے۔ سنت کے مطابق کاموں میں ہمیشہ خیر ہی ہوتی ہے۔

جتنا جلد ہو سکے، بچے (لڑکے) کا ختنہ کروا دینا چاہیے۔ ختنہ کروانے میں بھی بعض خاندانوں میں تاخیر ہوتی ہے۔ یہ شرعی لحاظ سے بھی ٹھیک نہیں اور جسمانی لحاظ سے بھی اس کے بہت زیادہ نقصانات ہیں۔

تاخیر کے باعث بچہ دوہری تکلیف میں بھی مبتلا ہوتا ہے، کیوں کہ جتنا چھوٹا بچہ ہو گا اس کی حس اتنی ہی کم ہو گی، جس بنا پر وہ تکلیف کے اثر کو کم محسوس کرے گا۔ بڑا بچہ تکلیف بھی دوہری محسوس کرے گا اور شرم و حیا کا عنصر بھی تاخیر میں نمایاں آتا ہے، جس کو لوگ اہمیت نہیں دیتے۔ اللہ تعالیٰ فہم سلیم عطا فرمائے۔ آمین

آٹھویں بات: ماں کا دودھ بچے کا حق ہے، آج کل لڑکیاں اس حق میں کوتاہی

کرتی ہیں۔ اس میں ان کی سہل پسندی نمایاں ہے۔ دو سال دودھ پلانا ماں اور بچے دونوں کی صحت کا ضامن ہے۔ سائنسی رو سے بچے کو دودھ پلانے والی ماؤں میں چھاتی کے کینسر کی شرح نہ ہونے کے برابر ہے۔ اسی طرح پورے دو سال بچے کو ماں اپنا دودھ پلائے جو ماں اور بچے دونوں کے لیے بہت سی بھلائیاں ہیں۔

ماں کو چاہیے دودھ پلاتے وقت: ● وضو کا اہتمام کرلیا کرے۔ اسی طرح سر ڈھکا ہوا ہو ● بڑی سے چادر سے بچے سمیت خود کو ڈھانپ لے۔ تسمیہ اونچی آواز میں پڑھ کر سیدھا پستان پہلے بچے کے منہ میں دے ● اتنی آواز میں اللہ کا ذکر یا کلام اللہ کا جو حصہ یاد ہو اس کا ورد رکھے، جو بچے کے کانوں تک بآسانی پہنچے۔

چوں کہ دودھ پیتے وقت بچہ ماں کے بالکل قریب ہوتا ہے تو دودھ کے ساتھ ماں کے الفاظ اور اس کے جسم سے نکلنے والی شعاعیں بچے کے اندر منتقل ہوتی ہیں، اب ان چیزوں کو منفی اور مثبت بنانا ایک ماں کا کام ہے۔ اگر اس نے درج بالا امور کا اہتمام کیا تو اس کے اچھے اثرات تاحیات بچے میں پائے گی اور خدانخواستہ اس نے بچے کو دودھ پلاتے ہوئے منفی امور انجام دیے جیسے ٹی وی دیکھنا، گانے سننا اور بولنا، کسی کی غیبت کرنا یا مذاق اڑانا وغیرہ اس کے بُرے اثرات بھی تاحیات بچے کے اخلاق و کردار پر نمایاں نظر آتے ہیں۔

باوضو ہو کر دودھ پلانے سے دودھ میں برکت اور نور شامل ہوتا ہے۔ سر اور جسم ڈھانپ کر دودھ پلانے سے بچے میں شرم اور حیا کا بیج نمو پاتا ہے۔ ذکر اللہ کے اہتمام سے بچے کے کانوں کے ذریعے سے دل تک اللہ کی عظمت اور بڑائی کا پیغام اترتا ہے جو تاحیات اثر رکھتا ہے۔

بچے کو اپنے دودھ سے محروم رکھنے والی عورتیں بچے سے اس حق بھی چھینتی ہیں، ساتھ ہی خود ہی کئی بیماریوں کو دعوت عام دیتی ہیں۔ قدرت نے یہ دو سال ماں اور بچے دونوں کے لیے بہت اہم رکھے ہیں اس میں دونوں کا لمس، محبت، تربیت اور صحت سب پنہاں ہے۔ جس نے اسے صحیح استعمال کیا اس کے لیے فائدہ ہی فائدہ ہے۔

نویں بات: جب بچہ بولنے لگے تو سب سے پہلے اس کو کلمہ "لا الہ الا اللہ" سکھانا چاہیے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "جب تمہاری اولاد بولنے لگے تو اس کو لا الہ الا اللہ سکھادو" (ترمذی)

عموماً بچوں کو "مما، اماں، ابا سکھانے پر زور ہوتا ہے۔ حالاں کہ "اللہ اللہ" کا ورد اہتمام سے بچے کے سامنے کیا جائے تو بعید نہیں کہ بچہ پہلا لفظ "اللہ" ہی بولے۔ اس بات پر خوش بھی ہوں، اتنے بچے کے سامنے عموماً گھر کے بڑے (نانی، دادی وغیرہ) کچھ مخصوص لفظ بول بول کر بچے کو بھی اس کا عادی بنا دیتے ہیں۔ بچے کے سامنے اچھے اور شائستہ الفاظ بولنا چاہیے، تو، تم کی بجائے آپ سے مخاطب کریں۔ جان لینا چاہیے یہ بیج ہیں جو اس وقت بوئے جا رہے ہیں۔ کل ان پر پھل لگے گا تو کاشت کار کو اس محنت کا اجر ملے گا، جو راحت بخش ہوگا ان شاء اللہ!

دسویں بات: بچوں کو بچپن سے ہی مکمل لباس اور ٹوپی / اسکارف کی عادت ڈالنا چاہیے، کیوں کہ "ستر" لباس کا مکمل ہونا بچے کے کردار اور شرم و حیا کے اخلاق میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ عموماً مائیں بچوں (لڑکوں) کے لباس میں تو بے حد بے احتیاطی برتتی نظر آتی ہیں۔ مکمل برہنہ گھومتے بچے ایسے پختہ عادت میں ڈھل جاتے ہیں کہ پھر لباس انہیں بوجھ محسوس ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ کہیں آنے جانے میں بھی بچوں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ لباس کو اتارنے کے لیے بے چین ہو کر زار و قطار روتے ہیں اور بعض اوقات بھرے مجمعے میں خود ہی اتار دیتے ہیں، جو کہ ان کی اخلاقی گراوٹ کی شروعات ہے اور جس کی عادت بنانے والی لاپروا مائیں ہیں جو بچہ ہے کہہ کر بچے کی حیا کا جامہ تار تار کرتی ہیں اور ان کو علم تک نہیں ہوتا۔

ہمارے مذہب میں لباس کی بہت اہمیت ہے اور اس کی حدود بھی مقرر ہیں۔ اگر ہم اول دن سے اپنے بچوں کی گھٹی میں اس کی اہمیت ڈالیں گے تو بعید نہیں کہ ہمارے بچے باحیا ہوں۔ چھوٹے بچوں کو ٹوپی / اسکارف سے سر ڈھانکنے کی عادت ڈالیں۔ خصوصاً کھانا کھلاتے ہوئے یا بیت الخلا لے جاتے ہوئے سر ڈھانکنا مت بھولیے۔ جب بچوں کی یہ عادتیں پختہ ہو جاتی ہیں تو یہی بچے خود سے سر ڈھانک کر کام کرنے لگتے ہیں ان کے لاشعور میں سر ڈھانپنے کی اہمیت بیٹھ جاتی ہے۔ اسی طرح مکمل لباس پہنانے کو ترجیح دیں۔ لڑکیوں کو آستین کے بغیر یا آدھی آستین والے کپڑے ہرگز نہ پہنائیں، اسی طرح شارٹس کے استعمال سے بھی بچیں۔ آج کل گرمی کا بہانہ بنا کر بڑے لڑکے حتی کہ مرد بھی شارٹس پہنے گلی محلوں میں گھومتے پھرنے میں ذرا بھی شرم محسوس نہیں کرتے۔

ہمیشہ ڈھیلا ڈھالا اور نرم لباس بچوں کے لیے منتخب کرنا چاہیے۔ تنگ اور تصاویر والا لباس نہیں خریدنا چاہیے۔ شرم و حیا اخلاقیات کی اہم کڑی ہے جو آج کل کے والدین خود بھی نہیں جانتے نہ ہی بچوں کو سمجھا پاتے ہیں۔ مختصر لباس بچوں کو پہنا کر ان کے اندر سے حیا کی جڑ کو نکال پھینکتے ہیں اور پھر جب یہی بچہ بڑا ہو کر اخلاق باختہ حرکتیں کرتا ہے تو سر پکڑ کر روتے ہیں۔

ایک اہم چیز جو عموماً خواتین بچوں کو مصروف اور انجوائے کروانے کے تحت کرنے دیتی ہیں حالاں کہ اس کے اثرات بہت برے ہوتے ہیں وہ یہ کہ چھوٹے لڑکوں کو ایک ساتھ غسل خانے میں نہانے بھیج دیتی ہیں اسی طرح چھوٹی لڑکیوں کو ایک وقت میں ایک ہی غسل خانے میں نہانے بھیجا جا رہا ہوتا ہے اور کئی گھرانوں میں چھوٹے بچوں اور بچیوں کو ایک ساتھ نہلانے بلکہ باتھ ٹب وغیرہ میں بھیج دینے کوئی احتیاط نہیں کی جاتی۔

ہمارے بزرگ اور ائمہ فرماتے ہیں کہ ایک دن کا بچہ پالنے میں سویا ہو، تو بھی اس کمرے میں بھی ماں کپڑے تبدیل نہ کرے کہ اس بے پردگی کے اثرات بھی بچے کی اخلاقیات پر پڑتے ہیں۔ یہاں اس کا ذکر بھی بے جا نہ ہوگا کہ اتنی عمر کے بچوں کی موجودگی میں بھی میاں بیوی "خلوت" سے گریز کریں۔ عموماً اس کا خیال نہیں رکھا جاتا۔

یاد رکھیے! یہ دو سال نو ماہ بچے کی تربیت، کردار اور اخلاق پر ساری زندگی حاوی رہیں گے۔ کہتے ہیں کہ بچپن کی عادت پچپن تک جاتی ہے اور یہی حقیقت ہے۔ آج کی محنت کل کا سکھ ہے۔ اپنی نسلوں کو سنوارنے میں ہی دارین کی فلاح مضمر ہے۔

ilmofy
PAKISTAN

کاش! اللہ تعالیٰ ہم سے امتِ مسلمہ کے لیے کوئی عالمی کام لے لے۔ کاش!

آئیے! بیت السلام ویلفیئر ٹرسٹ کا ممبر بنیے اور ممبر تیار کیجیے اور قوموں کی تقدیر بدلنے والی تعلیمی قومی اور عالمی خدمت میں اپنا حصہ ڈال کر دنیا اور آخرت میں سرخ رو ہو جائیے۔

تفصیلات کے لیے وزٹ کیجیے

http://ilmofy.baitussalam.org

UAN No. 111-298-111 | Email: ilmofy@baitussalam.org | Mob: +92-332-3332401

حضرت اُم ایمنؓ

ندا اختر

اُم ایمن برکہ الحبشیہ رضی اللہ عنہا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی باندی اور ان کی پرورش کرنے والی آیا تھیں، جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے والد ماجد سے ترکے کے طور پر پانچ عدد اونٹوں اور چند بکریوں کے ساتھ ملی تھیں۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا تو اُم ایمن کو آزاد کر دیا۔ بنی حارث کے عبید اللہ بن زید نے اُم ایمن سے نکاح کیا اور ایمن پیدا ہوئے، جنہیں حضور ﷺ کی رفاقت میسر ہوئی اور بعد ازاں جنگ حنین کے موقع پر شہید ہو گئے۔

اُم ایمن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت لطف و محبت کا معاملہ رکھتی تھیں اور آپ ﷺ کا بہت خیال رکھا کرتی تھیں۔ حضورِ اقدس ﷺ نے فرمایا جو کسی جنت کی عورت سے شادی کرنا چاہتا ہے تو اُم ایمن سے شادی کرے۔ چناں چہ عبید بن زید کے انتقال کے بعد حضرت زید بن حارثہ نے اُم ایمن سے نکاح کر لیا اور ان کے یہاں حضرت اسامہ کی ولادت ہوئی۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے، اُم ایمن میری ماں کے بعد میری ماں ہیں اور انہیں یا اُم یعنی اے ماں کہہ کر مخاطب کیا کرتے تھے اور جب ان پر نظر پڑتی تھی تو فرمایا کرتے تھے کہ یہ میرا بقیہ گھرانا ہیں۔ جب اُم ایمن نے مدینے ہجرت فرمائی تو وہ شدید گرمی کے دن میں روزے کی حالت میں بنا زادِ سفر کے تن تنہا پیدل ہی نکل کھڑی ہوئی تھیں۔ یہاں تک کہ پیاس کی شدت سے ان کا دم نکلنے لگا۔ وہ اس وقت روحا نامی مقام یا اس سے کہیں قریب ہی تھیں۔ فرماتی ہیں کہ جب سورج غروب ہو گیا تو میں نے اپنے سر کے اوپر ہلکی سی سرسراہٹ محسوس کی۔ میں نے اپنا سر اٹھایا تو کیا دیکھتی ہوں کہ سفید رسی سے بندھا ایک ڈول آسمان سے لٹک رہا ہے وہ میرے قریب آتا گیا، یہاں تک کہ میں نے اسے تھاما اور پانی پینے لگی یہاں تک کہ سیراب ہو گئی۔ فرماتی ہیں کہ اس دن کے بعد گرم ترین دن میں سورج کی تپش میں طواف کیا کرتی تھی، تاکہ مجھے پیاس محسوس ہو اور اس دن میں روزہ رکھتی تھی، مگر پھر بھی پیاس محسوس نہیں ہوتی تھی۔

اُم ایمن نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک برتن تھا، جس میں آپ رات میں بول کیا کرتے تھے۔ جسے صبح ہوتے ہی میں پھینک دیا کرتی تھی۔ ایک رات میں پیاس کی حالت میں ہی سو گئی تو پیاس کے مارے بیچ رات میں میری آنکھ کھل گئی اور غلطی سے میں نے اسے پانی سمجھ کر پی لیا، جب صبح ہوئی تو حضور ﷺ نے فرمایا، اُم ایمن برتن میں جو کچھ ہے اسے پھینک دیجیے تو میں نے کہا قسم اس ذات کی کہ جس نے آپ کو نبی برحق بنا کر بھیجا، میں نے وہ پی لیا تو آپ ﷺ بے ساختہ ہنس دیے یہاں تک کہ آپ ﷺ کی ڈاڑھیں نظر آنے لگیں۔ پھر فرمایا آج کے بعد سے تمہیں پیٹ کی کوئی شکایت نہیں ہو گی۔ (یہ واقعہ ان کی ہجرت سے پہلے کا ہے)

اُم ایمن نے جنگ اُحد میں بھی شرکت فرمائی، وہ میدان جنگ میں مجاہدین کو پانی پلاتیں اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرتیں۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ جنگ خیبر میں بھی شرکت فرمائی۔

چوں کہ یہ حبشیہ تھیں، عربی تھوڑی تھوڑی بولتی تھیں چناں چہ کبھی کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتیں اور کہتیں سلام لا علیکم ---- اور کبھی فرماتیں لاسلام --- تو آں حضرت ﷺ نے انہیں صرف السلام کہنے کی رخصت واجازت عطا فرمادی۔ جنگ حنین کے موقع پر اُم ایمن نے مسلمانوں کو دعا دیتے ہوئے کہا: سَبَّتَ اللّٰہُ اَقْدَامَکُمْ جب کہ وہ کہنا چاہ رہی تھیں، ثبت اللہ اقدامکم یعنی اللہ تمہیں ثابت قدم رکھے، مگر ان کے سب کہنے سے غلط مطلب نکلتا تھا کیوں کہ وہ ایک طرح کی بددعا ہے۔ اس لیے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا خاموش ہو جائیے اُم ایمنؓ کہ آپ کی زبان بڑی پیچیدہ ہے۔

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی ان سے پُر مزاح گفتگو فرمایا کرتے تھے۔ ایک دن وہ آپ کے پاس سواری طلب کرنے کے لیے حاضر ہوئیں اور فرمایا مجھے سوار کرا دیجیے تو آپ ﷺ نے فرمایا میں آپ کو اونٹنی کے بچے پر سوار کراؤں گا۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ وہ میرا بوجھ برداشت نہ کر پائے گا اور پھر مجھے ایسی سواری نہیں چاہیے تو آپ ﷺ نے فرمایا میں تو آپ کو اونٹنی کے بچے پر ہی سوار کراؤں گا۔ آپؐ کے کہنے کا مقصد تھا کہ سارے اونٹ اونٹنی ہی کے بچے ہوتے ہیں۔ کیوں کہ آپؐ مزاح میں بھی حق اور سچ ہی بات فرماتے تھے۔

اُم ایمن رضی اللہ عنہا کو رسول اللہ سے بے پناہ محبت تھی۔ حضرت انس فرماتے ہیں کہ میں حضور ﷺ کے ہمراہ اُم ایمن کے یہاں گیا تو اُم ایمن نے آپ کے سامنے کچھ کھانے یا پینے کی کوئی چیز رکھی تو یا تو آپؐ روزہ سے تھے یا آپ کو وہ چیز پسند نہیں تھی تو اُم ایمنؓ کچھ آپؐ سے جھگڑنے لگیں کہ اسے کھائیے نا!!

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر

بقیہ ص 19 پر

دل کے امراض

حکیم شمیم احمد

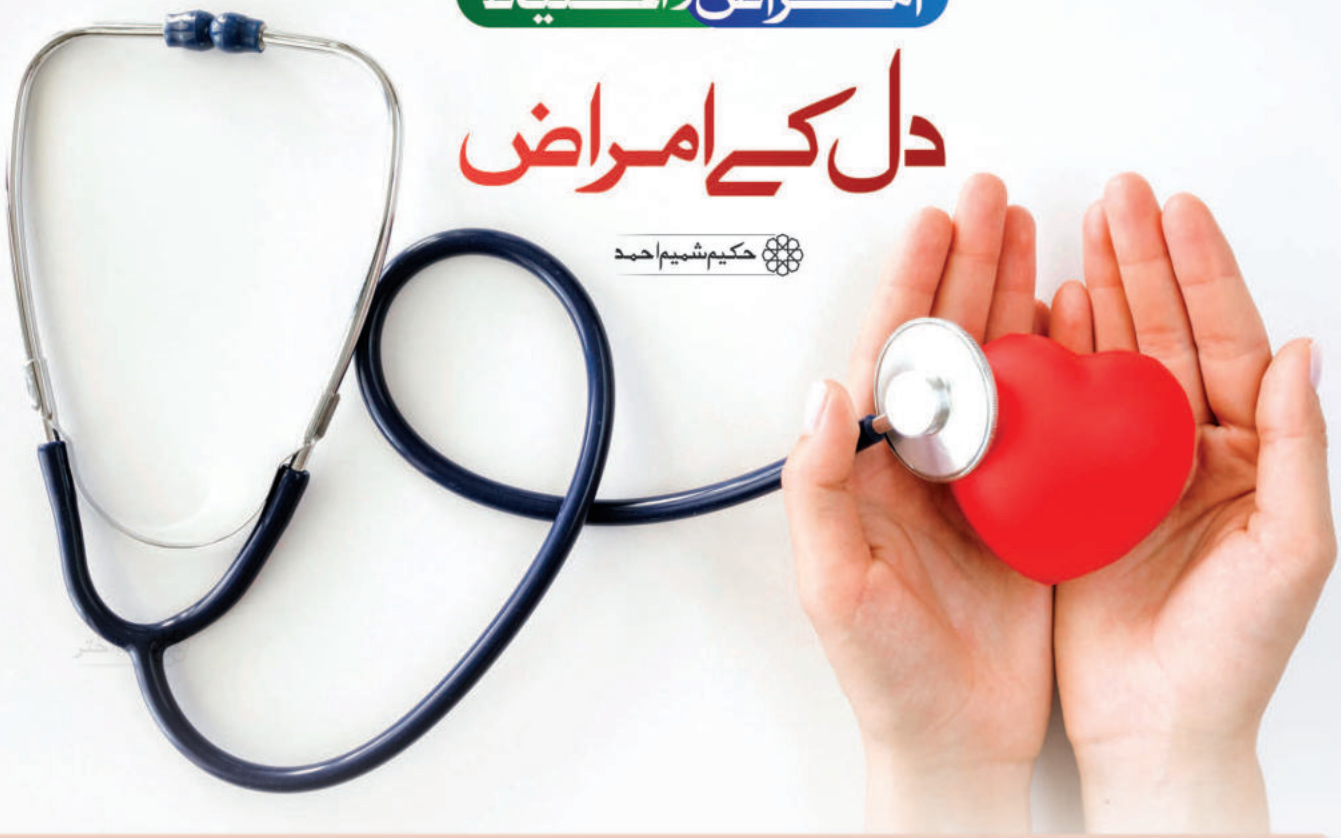

دل کے امراض

انسانی دل کی ساخت اور پانی کی موٹر کے میکنزم میں بڑی مماثلت پائی جاتی ہے۔ انسان کے دل میں چار صمامات (والوو) ہوتے ہیں' موٹر میں بھی چار وال ہوتے ہے۔ موٹر کے ایک والوو کا اگر اسپرنگ ٹوٹ جائے تو پریشر ختم ہو جاتا ہے' موٹر کے پانی کھینچنے اور سپلائی میں تعطل آجاتا ہے۔ پہلے موٹر دس منٹ میں پانی چڑھا دیا کرتی تھی' اب آدھے گھنٹے میں بھی نہیں چڑھ پاتا۔ ماہر موٹر مکینک ان نقائص سے بخوبی واقف ہوتا ہے۔ موٹر مکینک کی طرح دل کے امراض کو سمجھنے کے لیے ماہرین امراضِ قلب کے سائے میں رہ کر ٹریننگ حاصل کرنا ہوتی ہے۔

حملہ قلب

میڈکل کے طلبہ سند حاصل کرنے کے بعد ہسپتالوں میں ایمرجنسی وارڈ میں کچھ عرصہ کام کرتے ہیں۔ یوں وہ کلینک میں مکمل اعتماد سے پریکٹس کر سکتے ہیں' چناں چہ میں نے امراضِ قلب کو جاننے کے لیے دل کے ہسپتال میں رضاکارانہ طور پر ایمرجنسی میں اپنی ڈیوٹی لگوائی' وہاں شب روز حملہ قلب کے مریضوں کا تانتا بندھا رہتا تھا۔ ڈاکٹر اور سرجن انھیں فوری طبّی امداد دے کر جب مطمئن ہو جاتے کہ مریضوں کی حالت بہتر ہو گئی ہے تو ان کو وارڈ میں شفٹ کرنے کی ہدایت کرتے اور لواحقین کو تاکید کرتے کہ ان کو منہ سے چبانے کے لیے کوئی ٹھوس غذا نہ دی جائے بلکہ پھلوں کا جوس پلایا جائے۔ میں نے ایمرجنسی وارڈ میں موجود ڈاکٹروں سے معلوم کیا کہ آپ حملہ قلب کے ہر مریض کو ٹھوس غذائیں چبانے سے منع کر دیتے ہیں' اس کی بنیادی وجہ کیا ہے؟ اس نے مجھے سمجھایا کہ حملہ قلب کی وجہ سے دل زخمی ہو چکا ہے' اگر مریض کو ٹھوس غذائیں استعمال کروائی گئیں تو دل کو مزید ٹھیس پہنچے گی' اس لیے جوس پلانے کا مشورہ دیتے ہیں۔ الحمدللہ! وہاں رہ کر امراضِ قلب کے بارے میں بہت کچھ سیکھنے کا موقع ملا۔

ماہر امراضِ قلب کا لیکچر

ماہر امراضِ قلب ڈاکٹر حامد شفقت صاحب جو ہمارے پیتھالوجی کے استاد میجر حیدر نیازی صاحب کے شاگرد تھے' ان ہی کی دعوت پر ہمارے طبیہ کالج میں لیکچر دینے آئے تھے۔ انھوں نے دوران لیکچر طلبہ کو بتایا کہ دل کا مریض کیسے بنتا ہے۔ رات کو دو بجے ہسپتال سے اسسٹنٹ کا فون موصول ہوتا ہے کہ ایمرجنسی ہے' جلدی ہسپتال پہنچیں۔ ڈاکٹر یہ سن کر کہتا ہے کہ کیا مصیبت ہے' نیند خراب کر دی۔ اسی طرح آدھی رات کو ایک اور ڈاکٹر ہسپتال سے کال رسیو کرتا ہے اور اپنے اسسٹنٹ کو ہدایت دیتا ہے کہ تم فوری طور پر ای سی جی کرو اور بی پی چیک کرو اور زبان کے نیچے فلاں گولی رکھو میں ابھی پہنچ رہا ہوں' مریض کی جان بچانی ہے۔ آپ خود فیصلہ کریں کہ دل کا مریض کون سا ڈاکٹر بنے گا۔

آپ دل کے مریض کیسے بنے؟؟

ہمارے ایک ساتھی مسجد میں ساتھ ہی نماز پڑھتے ہیں۔ایک دن میں ان سے پوچھ بیٹھا کہ آپ دل کے مریض کیسے بنے؟انھوں نے وضاحت کی کہ کئی سال پہلے مسجد میں نمازِ مغرب ادا کر رہا تھا کہ اچانک پسینے میں شرابور ہو گیا اور گھبراہٹ ہونے لگی۔ میں فوراً گھر آیا اور بھائی کو ساتھ لے کر کارڈیو پہنچا۔وہاں ڈاکٹر نے فوری طور پر میری زبان کے نیچے گولی رکھ دی، جس سے مجھے سکون آ گیا۔ای سی جی کی رپورٹ بھی نارمل آ گئی۔ڈاکٹر صاحب نے تسلی دی کہ کوئی گھبرانے کی بات نہیں ہے، بس غذا میں احتیاط کریں اور چہل قدمی نہ چھوڑیں۔ میں نے ڈاکٹر صاحب کی بات کو بہت ہلکا جانا۔نہ میں نے مرغن غذاؤں سے پرہیز کیا اور نہ چہل قدمی کی۔اس خوش فہمی اور بے احتیاطی کے نتیجے میں دوبارہ دل کا اٹیک ہو گیا اور اسٹنڈ ڈالنے پڑے۔اب مسلسل دل کی دوائیں کھانی پڑ رہی ہیں۔کاش! میں شروع میں ہی ڈاکٹر کی ہدایت پر عمل کر لیتا تو یہ نوبت نہ آتی۔

امراضِ قلب کی ابتدا

عام مشاہدہ ہے کہ کسی بھی ادارے سے ریٹائرمنٹ کے بعد ملازمین اپنے آپ کو بہت تھکا ماندہ محسوس کرنے لگتے ہیں اور ان کی سوچ یہ ہوتی ہے کہ ریٹائرمنٹ کے بعد مکمل آرام کریں گے۔دوسری طرف فنڈ کی اچھی خاصی رقم بھی ہاتھ آ جاتی ہے اور پینشن بھی ملنے لگتی ہے، چناں چہ شوہر حضرات اپنی بیگمات سے کہتے ہیں کہ آپ نے کچن میں بہت کام کر لیا، اب رات کا کھانا بچوں کے ساتھ جا کر کسی عمدہ ریستوران میں کھایا کریں گے، یہیں سے امراضِ قلب کی ابتدا ہو جاتی ہیں۔دولت کی فراوانی اور روزانہ مرغن غذاؤں کا استعمال اور آرام طلبی امراضِ قلب کا پیش خیمہ ہوتی ہے، کیوں کہ پہلے جیسی مشقت نہیں ہوتی، چناں چہ خون میں کولیسٹرول اور بلڈ پریشر کی شکایت ہونے لگتی ہے، بات بات پر غصہ آنے لگتا ہے، بیوی بچوں کی اچھی بات بھی بری لگنے لگتی ہے، تب بیگم کو احساس ہوتا ہے کہ میاں صاحب کا دن میں گھر پر رہنا مناسب نہیں، کیوں کہ روزانہ کی بات بات پر روک ٹوک انھیں پریشان کر دیتی ہے۔

اس کے برعکس سمجھ دار ملازمین ریٹائرمنٹ سے پہلے ہی کوئی نہ کوئی ہنر سیکھ لیتے ہیں، تاکہ معاشی اعتبار سے بھی مستحکم رہیں اور آرام طلبی کر کے اپاہج نہ ہو جائیں۔ بعض لوگ کسی فلاحی ادارے سے منسلک ہو جاتے ہیں، یہ لوگ بھی ذہنی اور جسمانی طور پر صحت مند اور مطمئن رہتے ہیں۔

کیا دل کے مریض مرد شادی کر سکتے ہیں؟

اکثر مریض سوال کرتے ہیں: کیا دل کے مریض شادی کر سکتے ہیں؟اس سوال کا جواب دینا ذرا مشکل ہے۔ہمارا دین نکاح کی اہمیت پر زور دیتا ہے، کیوں کہ اس کے جسمانی اور روحانی فائدے بھی ہیں۔اس میں مردوں اور عورتوں دونوں کے لیے الگ الگ مشورہ ہے۔وہ مرد جو دل کے مریض ہوں اور معاشی طور پر مستحکم نہ ہوں۔شادی اور شادی کے بعد کے اخراجات پورے کرنے کے متحمل نہ ہوں، ان کو شادی نہیں کرنی چاہیے، جب تک ان کے معاشی حالات بہتر نہ ہو جائیں، ورنہ مسلسل ذہنی دباؤ سے دل کی تکلیف میں اضافہ ہونے کا خطرہ ہمیشہ رہے گا۔

کیا دل کی مریضہ خواتین شادی کر سکتی ہیں؟

مردوں کے مقابلے میں خواتین دل کے امراض میں کم مبتلا ہوتی ہیں، کیوں کہ قدرت نے ان میں نفاس، حیض کا نظام رکھا ہے، جو نظامِ خون کو اعتدال پر رکھتا ہے۔البتہ اگر کوئی عورت دل کی مریضہ ہو تو اس کو شادی کر لینی چاہیے، اس لیے کہ استقرارِ حمل سے ماں کو بچے کی صورت میں ثمر ملنے والا ہوتا ہے، اس امید پر وہ تمام تکالیف ہنسی خوشی سہ لیتی ہے اور پھر بچوں کو اپنا دودھ پلانے سے بھی اس کے دل کو سکون حاصل ہوتا ہے، بس شرط یہ ہے کہ بچیاں جس گھر میں بیاہ کر جا رہی ہیں، اس کی فضا خوش گوار ہو، اہلِ خانہ مثبت سوچ رکھتے ہوں اور میاں بیوی کی سوچ میں ذہنی ہم آہنگی ہو۔یہ بات تجربے میں آئی ہے کہ دو بچوں کی ولادت تک دل کی مریضہ برداشت کر لیتی ہے، اس کے بعد دل کے پٹھے اور اعصاب کم زور ہونا شروع ہو جاتے ہیں، اس لیے دو سے زیادہ بچوں کی ولادت کے لیے ماہر امراضِ قلب اور گائناکالوجسٹ سے مسلسل رابطے میں رہنا چاہیے، تاکہ دل پیچیدگیوں سے محفوظ رہے۔

دِل کے مریضوں کے لیے ایک قیمتی نسخہ

حکیم محمد سعید صاحب دل کے امراض میں مندرجہ ذیل نسخہ استعمال کروایا کرتے تھے۔

سونف: ایک چمچہ **ادرک:** چھوٹی سی ڈلی **تازہ پودینہ:** پانچ ماشہ **لہسن:** تین جوے **سانچی پان:** ایک عدد

ان تمام اجزاء کو ایک پیالی پانی میں جوش دے کر چھان کر صبح شام استعمال کرنے کا مشورہ دیتے تھے۔

مسائل پوچھیں اور سیکھیں

مفتی محمد توحید

ضبطِ ولادت اسلامی نقطہ نظر سے

سوال: آج کل غیروں کی ذہن سازی کی وجہ سے مسلمانوں میں ضبطِ ولادت کا رُجحان بڑھتا جارہا ہے اور بچے دو ہی اچھے ''کم بچے خوش حال گھرانا'' جیسے پر فریب نعرے لگا کر مسلمانوں کو نسل کُشی پر آمادہ کیا جارہا ہے۔ اب جواب طلب امر یہ ہے کہ اسلامی نقطہ نگاہ سے ضبطِ ولادت کی جائز اور ناجائز صورتیں کیا کیا ہیں؟

جواب: واضح رہے کہ قرآن وسنت کی روشنی میں اگر غور وفکر سے کام لیا جائے تو یہ بات واضح ہو جائے گی کہ حضرت آدم علیہ السلام کا جنت سے زمین پر اتارے جانے کا مقصد یہ تھا کہ زمین کو انسانوں سے آباد کیا جائے۔ انسانوں کی افزائشِ نسل کا دارومدار مرد وعورت کی ازدواجی زندگی پر ہے۔ بچوں کی پیدائش اور پرورش کا تعلق اس عائلی زندگی سے ہے۔ حضرت آدم وحوا علیہما السلام سے لے کر اب تک یہ سلسلہ جاری ہے، اس لیے شریعت نے نکاح کی اہمیت بیان کر کے اس پر بڑا زور دیا ہے کہ نکاح نبی کریم ﷺ کی سنت ہے اور جو سنت سے اعراض کرے گا اس کا نبی کریم ﷺ سے کوئی تعلق نہیں رہے گا۔ (مشکوٰۃ)

گزشتہ کئی سالوں سے یورپ نے غلط حساب کتاب کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اگر یوں ہی انسانی نسل بڑھتی رہی تو لوگوں کو کھانے کے لیے روٹی، رہنے کے لیے مکان اور پہننے کے لیے کپڑے نہیں ملیں گے۔ اس بات کو اتنا اچھالا گیا اور گلی گلی اس کا اتنا پرچار کیا گیا کہ دنیادار کیا اچھے خاصے دین کی سمجھ رکھنے والے گھرانے بھی اس پروپیگنڈے سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

ذیل میں اسلامی نقطہ نگاہ سے ضبطِ ولادت کی جائز اور ناجائز صورتیں بیان کی جاتی ہیں:

ضبطِ تولید کی اصولاً تین صورتیں پائی جاسکتی ہیں: ❶ قطعِ نسل ❷ منعِ حمل ❸ اسقاطِ حمل

ضبطِ تولید کی جدید سے جدید تر کوئی بھی صورت ہو، ان تین صورتوں میں کسی نہ کسی صورت میں داخل ہوگی، اس لیے ضروری ہے کہ ان تین صورتوں کی وضاحت اور شرعی تحقیق کی جائے، تاکہ ہر صورت کا حکم واضح ہو جائے۔

❶ قطعِ نسل:

اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ مرد وعورت میں سے کسی ایک کے بھی اعضائے تناسل وتوالد میں داخلی یا خارجی ایسا تغیر کیا جائے جس کی بناء پر دائمی طور پر بچہ پیدا کرنے کی صلاحیت ہی ختم اور اس کا امکان ہی باقی نہ رہے۔ مثلاً: نس بندی کرنا یا بچہ دانی کو بذریعہ آپریشن مکمل طور پر کاٹنا وغیرہ۔

قطعِ نسل کا حکم:

ایسی تدابیر اختیار کرنا جس کی وجہ سے مرد یا عورت سے ہمیشہ کے لیے بچہ پیدا کرنے کی صلاحیت ہی ختم ہو جائے۔ یہ صریح طور پر ناجائز اور حرام ہے۔

مجبوری کی وجہ سے قطعِ نسل کا حکم:

بعض امراض اور بعض حالات ایسے ہوتے ہیں جن کے بارے میں ڈاکٹروں کی قطعی اور یقینی رپورٹ یہ ہوتی ہے کہ اگر سلسلہ توالد کو منقطع نہیں کیا گیا اور حمل ٹھہر گیا تو ولادت کی کوئی صورت نہیں ہوگی اور عورت کی جان کو سخت خطرہ لاحق ہو جائے گا تو ایسی صورت میں دائمی تدبیر اختیار کرنے کی شرعاً اجازت موجود ہے۔

❷ منعِ حمل:

ضبطِ تولید کی دوسری صورت منعِ حمل ہے، جس کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ مرد وعورت میں قوتِ تولید باقی رہتا ہے، البتہ عارضی طور پر اعضائے تناسل میں ایسا تغیر کر دیا جاتا ہے جس کی وجہ سے حمل نہیں ٹھہر پاتا جس کی مختلف صورتیں عموماً معروف ومشہور ہیں۔ اسی میں ہر وہ صورت داخل ہے جو قوتِ تولید کی بقاء کے ساتھ ساتھ مانعِ حمل ہو۔ مثلاً: خاص قسم کی گولیاں استعمال کرنا، مرہم، لوپ کا استعمال، عزل کرنا یا ان مخصوص ایام میں بیوی کے قریب جانے سے احتراز کرنا جن میں حمل کے ٹھہرنے کے امکانات زیادہ ہوا کرتے ہیں۔

منعِ حمل کے جواز کی شرائط:

منعِ حمل کی کوئی بھی صورت ہو، اس کے جواز کے لیے مندرجہ ذیل شرائط کا ہونا ضروری ہے:

❶ منعِ حمل کی صورت انفرادی اور شخصی ہو، اس کو اجتماعی شکل اور قانونی حیثیت نہ دیا جائے نہ اس کی ترغیب دی جائے اور نہ اس کی تشہیر کے لیے باقاعدہ مُہم چلائی جائے جیسا کہ آج کل ''فیملی پلاننگ'' اور دیگر مختلف ناموں سے ایسا کیا جارہا ہے۔ اگر منعِ حمل کی حوصلہ افزائی، بلکہ اس کی ترغیب دی جارہی ہو، اس کو مقصود اور نصب العین بنایا جاتا ہو اور اس کو قانونی حیثیت دی جارہی ہو تو اس کے ناجائز ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔

❷ ضبطِ تولید سے مقصود صرف اولاد سے اعراض نہ ہو، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے تکثیرِ اولاد کا حکم دیا ہے۔

❸ ضبطِ تولید جس غرض کے لیے کیا جارہا ہو وہ غرض اسلامی اصول کے خلاف نہ ہو۔

❹ منعِ حمل کی تدبیر اختیار کرنے میں اس کا اندیشہ نہ ہو کہ ہمیشہ کے لیے مایوسی ہو جائے۔

ان شرائط کی رعایت رکھتے ہوئے مندرجہ ذیل صورتوں میں منعِ حمل کی اجازت ہے:

❶ کمزوری اور بیماری کی وجہ سے منعِ حمل کی تدبیر اختیار کرنا: اگر عورت اتنی لاغر اور کمزور ہے کہ بارِ حمل کا تحمل نہیں کر سکتی۔ حمل کی تکالیف سے یا بعد از ولادت ایسی شدید کمزوری لاحق ہونے کا خطرہ ہو کہ اس کے بعد صحت کی توقع بہت کم ہے۔ ایسے حالات میں منعِ حمل کی ہر ممکن اور جائز تدبیر اختیار کرنے کی شرعاً اجازت ہے۔

2 بچوں کی کمزوری کی وجہ سے منعِ حمل : کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک بچہ پیدا ہوا اور ابھی اس کی مدت رضاعت (شیر خوارگی کی مدت) بھی پوری نہ ہونے پائی تھی کہ دوبارہ حمل ٹھہر گیا' چناں چہ ایسی صورت میں طبعی طور پر ایسے بچے اپنی ماں کے دودھ سے محروم ہو جاتے ہیں اور عورت کا دودھ تدریجاً ختم بھی ہو جاتا ہے اور جو ہوتا ہے وہ اطباء کی تحقیق کے مطابق نقصان دہ ہوتا ہے' لہٰذا اس ضرر سے بچنے کے لیے بھی منعِ حمل کی تدبیر اختیار کرنے کی شرعاً اجازت ہے۔

1 عورت کی بداخلاقی کے سبب منعِ حمل : فقہائے کرام نے تصریح کی ہے کہ اگر عورت بداخلاق اور سخت مزاج ہو اور اولاد پیدا ہونے کے بعد اس کی بداخلاقی میں اضافہ ہونے کا خطرہ ہو تو ایسی صورت میں منعِ حمل (عزل وغیرہ) کی اجازت ہے۔

2 فسادِ ماحول کے خطرے سے منعِ حمل : اگر معاشرے کی حالت ایسی ہو جس میں اولاد کے بگڑ جانے کا قوی امکان ہو تو ایسی صورت میں عزل وغیرہ کے ذریعے منعِ حمل جائز ہے خواہ بیوی کی اجازت ہو یا نہ ہو۔

منعِ حمل کی ناجائز صورتیں:

1 مفلسی اور تنگ دستی کی وجہ سے منعِ حمل کی تدبیر اختیار کرنا : غربت اور فقر و فاقہ کی وجہ سے منعِ حمل کی شرعاً گنجائش نہیں ہے۔ قرآن کریم نے واضح الفاظ میں اس نظریے کی تردید کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ" یعنی اولاد کو فقر و فاقہ کے اندیشے کی وجہ سے قتل مت کرو!

2 شرم و حیا اور لڑکی پیدا ہونے کے خوف سے منعِ حمل : بہت سے نوجوانوں کا یہ خیال ہوتا ہے کہ ابھی سے ہم عیال دار بن جائیں یا ہمیں ماں باپ کہا جانے لگیں' اس بات سے ان کو شرم آتی ہے یا بعض لوگوں کو لڑکی پیدا ہونے کا ڈر ہوتا ہے' اس وجہ سے وہ منعِ حمل کی تدابیر اختیار کر لیتے ہیں' لہٰذا اس قسم کے اعذار شرعاً قابلِ قبول نہیں۔ محققین نے تصریح فرمائی ہے کہ جو حیا انسان کو ایک اچھے اور جائز کام سے روکے وہ حیا شرعاً قابلِ ترک ہے کہ ایسی سوچ اسلام سے پہلے زمانہ جاہلیت میں اہلِ مکہ کی ہوا کرتی تھی۔

3 آزادی کی زندگی گزارنے کے لیے منعِ حمل : بعض نوجوانوں کا خیال ہوتا ہے کہ اتنی جلدی کیوں بچوں کا بار سر پر ڈالیں۔ چند سال آزادی کی زندگی گزار کر پھر دیکھیں گے' اس خیال سے وہ منعِ حمل کرتے ہیں۔ یہ خیال بھی شرعاً جائز نہیں۔

ضبطِ تولید کی تیسری قسم اسقاطِ حمل:

میڈیکل سائنس کی تحقیق کے مطابق حمل میں 120 دن میں جان پڑ جاتی ہے۔ واضح رہے کہ بغیر کسی شرعی عذر کے اسقاطِ حمل جائز نہیں' خواہ حمل میں جان پڑی ہو یا نہیں۔

جواز کی صورتیں:

استقرارِ حمل کے 120 دن کے اندر اعذارِ شرعیہ کی بنیاد پر اسقاطِ حمل جائز ہے۔ اعذارِ شرعیہ مندرجہ ذیل ہیں:

1 عورت کے مستقل بیمار پڑ جانے کا خطرہ ہو یا جان کو خطرہ لاحق ہو

2 بچے میں خلقی نقص اور جسمانی اعتبار سے بہت زیادہ غیر معتدل ہونے کا قوی خطرہ ہو۔

3 بچے کے کسی خطرناک موروثی مرض میں مبتلا ہو کر پیدا ہونے کا قوی اندیشہ ہو۔

4 طبّی آلات کے ذریعے ظن غالب کے درجہ میں یہ بات معلوم ہو جائے کہ بچہ انتہائی غیر معتدل یا ایسی پیدائشی نقص میں مبتلا ہے جس سے اس کی ساری زندگی اس پر اور اس کے والدین پر زبردست بوجھ بن جائے گی۔

اسقاطِ حمل کی ناجائز صورتیں:

1 والدین کا اولاد نہ چاہنا۔ یہ کوئی عذر نہیں' استقرارِ حمل ہوا' لیکن میاں بیوی کہتے ہیں کہ ہمیں مزید اولاد کی ضرورت نہیں تو اس صورت میں اسقاطِ حمل کی اجازت نہیں۔

2 استقرارِ حمل کے بعد طبّی جانچ پڑتال سے اندازہ لگا کہ حمل لڑکی کا ہے۔ اس صورت میں اسقاطِ حمل ناجائز ہے' بلکہ یہ لڑکیوں کو زندہ دفن کرنے کے مترادف ہے۔

اضطراری صورت میں اسقاطِ حمل:

ضرورت اور اضطرار کے وقت' جبکہ یقینی طور پر عورت کے پیٹ میں بچہ رہنے سے اُس کی جان کا خطرہ ہو ایسی صورت میں اگر حمل میں جان نہ پڑی ہو تب تو اسقاطِ حمل جائز ہے' نیز اگر جان پڑ گئی ہو اور حمل سے عورت کی جان کا یقینی خطرہ ہو تو ایسی صورت میں بھی حمل کا اسقاط جائز ہے۔

رضی اللہ عنہ سے فرمایا۔ چلو اُم ایمن سے ملنے چلتے ہیں جس طرح حضور ﷺ ان سے ملنے جایا کرتے تھے۔ جب اُم ایمنؓ نے ان دونوں حضرات کو دیکھا تو رونے لگیں' انہوں نے پوچھا آپ کیوں روتی ہیں؟ تو بولیں میں اس لیے نہیں رو رہی کہ مجھے یہ علم نہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس سے بہتر مقام پر ہیں جہاں وہ تھے' مگر میں اس آسمانی خبر (وحی) کو رو رہی ہوں جو اب ہم سے منقطع ہو چکی ہے۔ یہ سن کر وہ دونوں بھی بے اختیار رونے لگے۔

روایت ہے کہ حضرت اُسامہ بن زیدؓ کے غلام ابن ابی الفرات کا اسامہ بن زیدؓ کے بیٹے حسن سے جھگڑا ہو گیا تو ابن ابی الفرات نے انہیں عار دلاتے ہوئے کہا: اے برکہ کے بیٹے یعنی اس کا مطلب اُم ایمن سے تھا تو حسن نے کہا لوگو! گواہ رہنا اور اسے لے کر ابی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم کے پاس گئے جو اس وقت مدینے کے قاضی یا عمر بن عبدالعزیز کے گورنر تھے اور پورا قصہ کہہ سنایا تو ابو بکر نے ابن ابی الفرات سے کہا کہ اے ابن برکہ سے تمہارا کیا مقصد تھا تو وہ بولا میں نے انہیں ان کے اصلی نام سے پکارا تھا ابو بکر نے کہا' نہیں۔۔۔۔ اس سے تمہارا مقصد انہیں کمتر گردانا ہے جب کہ ان کا اسلام جو تھا وہ تھا اور رسول اللہ انہیں یا اُم یا اُم ایمن کہہ کر پکارا کرتے تھے۔ اگر میں نے تجھے چھوڑ دیا تو اللہ مجھے نہیں چھوڑے گا' پھر اس کے ستر درے لگائے۔

غیروں سے مشابہت

عمارہ فہیم

اللہ تعالیٰ نے ہمیں دینِ اسلام بطور نعمت عطا کیا ہے۔اسلام میں جہاں عقیدہ وعبادت ہے' وہیں تہذیب 'اخلاق اور معاشرت بھی ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں : اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (المائدہ:3)

میں نے تمہارے لیے آج دین کامل کردیا'تم پر نعمتوں کا مکمل کردیا' تمہارے لیے دینِ اسلام کی پسند کیا۔

مکمل مسلمان وہی ہے جو زندگی کے ہر شعبے میں مسلمان نظر آئے۔اللہ نے کامل اور مکمل دین اتارا ہے 'ایسا دین جس میں سب کچھ ہے 'اب جو اسلام کے طریقے کو چھوڑ کر کوئی اور راہ اختیار کرے گا 'اللہ کے ہاں وہ ہرگز قابل قبول نہیں۔اللہ پاک فرماتے ہیں :

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ (آل عمران:58) اور جو کوئی چاہے اسلام کے علاوہ کوئی اور دین اختیار کرے گا' سو اس سے ہرگز قبول نہ ہوگا۔

غیروں نے مسلمانوں کے گرد ایسا جال بُنا ہے کہ مسلمان ہر چیز سے محروم ہوتا جارہا ہے۔آج مسلمان جو غیر اسلامی رسوم کا شکار ہے 'اس کی بڑی وجہ مغرب کی ذہنی غلامی ہے 'غیروں کی نقالی اور ان کی رسوم اختیار کرنا معاشرے میں رچ بس گیا ہے۔یاد رکھنا چاہیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ (مشکوۃ المصابیح) جو کسی قوم کی مشابہت اختیار کرے گا' وہ اسی میں شمار کیا جائے گا۔

اللہ کے نبی غیروں کا طریقہ 'ان کا رہن سہن اپنانے سے منع فرمارہے ہیں کہ اگر کسی نے کافروں کی تہذیب اختیار کرنا شروع کی تو وہ انہی میں شمار کیا جائے گا۔

اللہ پاک فرماتے ہیں : يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰى (المائدہ:15) اے ایمان والو! یہود ونصاریٰ کو اپنا دوست مت بناؤ' وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں اور جو کوئی تم میں سے ان سے دوستی کرے گا تو وہ انھی میں سے ہوگا۔

اسلام غیر مسلموں سے لین دین سماجی تعلقات سے منع نہیں کرتا' مگر باقاعدہ دوستی سے واضح طور پر منع کرتا ہے۔'اسلام ایک ملّت ہے تو کفر دوسری۔یہ نہیں ہو سکتا غیروں کی نقالی بھی کریں اور اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کا دعوی بھی کریں۔

روشن خیالی بہت خوب صورت لفظ ہے 'لیکن مغرب نے اس کے جو معنی دیے 'وہ بہت خطرناک ہیں۔دراصل ہماری ذہنیت چوں کہ غلامانہ ہو چکی ہے 'اس لیے ہم بڑی آسانی سے اس سب کو ہضم کر لیتے ہیں۔روشن خیالی کا مطلب یہ متعین کیا کہ جو حیا سے محروم ہو 'برہنہ گھومے 'بے شرمی کا لبادہ اوڑھ لے 'وہ روشن خیال ہے۔

اسلام کی اپنی ایک تہذیب ہے' اس کے اپنے تہوار ہیں' یہ تہوار ایسے خوب صورت اور جامع ہیں کہ جہاں انسان کی دنیا سنوارنے کے اسباب ہیں 'وہیں آخرت کی خوشی کا سامان بھی جمع ہے۔عیدالفطر' عیدالاضحیٰ میں جہاں اچھا لباس زیب تن کرنے 'اچھا کھانے کی اجازت بلکہ حکم ہے' وہیں یہ بھی فرمایا: میرے آگے جھکو' میرا شکر ادا کرو' تاکہ یہاں بھی تمہیں خوشی حاصل ہو اور کل روزِ محشر میں بھی خوش ہو۔

مسلمانوں کی خوشیاں اپنی ہیں 'پر ان کی تعلیم اپنی نہیں رہی۔ماحول 'سوچ 'افکار کچھ اپنا نہیں رہا۔گھروں میں وہ ماحول نہ رہا' جس میں ان کی ایمانی جڑیں مضبوط ہوتیں۔سب جانتے ہیں ہماری تہذیب 'خوشی 'تہوار یہ ہیں مگر ان کی اصل خوشی سے محروم ہو گئے ہیں 'اس لیے غیروں کے تہوار کو اپنا تہوار سمجھ کر منانے لگے ہیں۔

اگر ارد گرد نظر گھمائیں تو ہم دیکھ سکتے ہیں کہ کس طرح مسلمان نوجوانوں میں مغرب کی غیر اسلامی وبت پرستانہ رسومات وروایات پھیل رہی ہیں 'مثال کے طور پر بسنت 'یوم دوستی 'سالگرہ اور یومِ محبت وغیرہ۔ان رسوم کے ذریعے امت سے حیا کا جنازہ نکالا جارہا ہے۔

یومِ محبت valentine day کی ابتدا رومی بت پرستوں سے ہوئی 'اس تہوار کے پس منظر میں ان کے باطل معبودوں کی تعظیم پائی جاتی ہے۔اگر دیکھا جائے تو ہر رسم ورواج کے پیچھے کوئی نہ کوئی پس منظر ضرور ہوتا ہے 'افسوس! ہم صرف پیروی کرنے پر اکتفا کرتے ہیں 'پس منظر پر کسی کی توجہ ہی نہیں جاتی۔

یہ دن valentine day قدیم روما میں نوجوان لڑکے لڑکیوں کا ایک تہوار تھا' جس میں کنواری لڑکیاں محبت کے خطوط لکھ کر ایک بڑے گل دان میں ڈال دیتیں' اس کے بعد نوجوان لڑکے اس لڑکی کا انتخاب کرتے 'جن کے نام کی لاٹری ان کے ہاتھ میں ہوتی 'پھر ان میں کورٹ شپ ہوتی۔۔اس کے بعد عسائیت کے مذہبی رہنماؤں نے اس مشہور بت پرستانہ رسم کو ختم کرنے کی بجائے اسے سینٹ ویلنٹائن ڈے کے تہوار میں بدل دیا۔

معاشرے کی پہلی بنیاد اور اکائی ایک مرد اور ایک عورت سے شروع ہوتی ہے اگر یہی بنیاد ٹیڑھی ہو تو عمارت خود بخود کمزور ہوگی۔

ایک لڑکی اپنے باپ کا فخر 'ماں کی فکر 'بھائی بہنوں کی خوشی ہوتی ہے۔

ایک لڑکا باپ کا غرور 'ماں کا سرور 'بھائی بہنوں کا مان ہوتا ہے۔

جب یہی لڑکا یا لڑکی فخر و غرور سر ور مان سب کچھ روندنے نکلتے ہیں، اپنی حیا کا سودا کرنے چل پڑتے ہیں، اس کا جنازہ نکال کر خوشی مناتے ہیں تو دور کھڑا کوئی ان سے زیادہ خوش اور مسرور ہوتا ہے، وہ کوئی اور نہیں وہی ملعون ہے، جسے رب تعالیٰ نے دھتکار کر اپنے دربار سے نکال دیا تھا، تب سے لے کر آج تک یہ ابلیس بنت حوا و ابن آدم کا سب سے بڑا دشمن ہے، وہ خوش ہوتا ہے کہ آج میں نے حیا کی چادر کو ریزہ ریزہ کر دیا، کسی کا فخر توڑ دیا کسی کی خوشی چھین لی۔

ایک ہی جھٹکے میں کتنا کچھ تباہ کر دیا دور کھڑا کہتا ہے کہ واہ آج تو مزا آ گیا، لیکن بے فکرے لوگ اپنی مستیوں میں ایسے مگن ہوئے کہ انھیں پتا ہی نہیں ان کا سب سے بڑا دشمن کیسا جشن منا رہا ہے، ان کی حیا کے اس جنازے پر جس کا گلا انھوں نے اپنے ہی ہاتھوں سے گھونٹ دیا۔

اس وقتی ہلے گلے کے آگے کتنی ہی بیٹیاں اپنی عزتیں اپنے ہاتھوں سے گنوا دیتی ہیں اور کتنے ہی لڑکے کسی کی عزت کو پامال کر جاتے ہیں، اس وقت اگر وہ یہ سوچ لیں کہ اگر اس کی جگہ میری اپنی بہن بیٹی ہوتی کیا اس کے لیے بھی میں یہ سب پسند کرتا، لیکن نہیں دوسرے کی عزت عزت نہیں لگتی اپنی عزت غیرت لگتی ہے، آہ!

اس یوم محبت کا ایک پہلو تو یہ ہے کہ یہ مشرکانہ پس منظر رکھتا ہے، پھر وقت کے ساتھ ساتھ عیسائیوں نے اس کا انداز بدل کر اسے یوم محبت کی شکل دے دی اور اس کے حقیقی پس منظر کی بجائے اس کا جھوٹا پس منظر بتایا اور اسے بیان کرنے کے لیے جس قسم کی کہانیاں گھڑی گئی ہیں انھیں بیاں کرنے میں بھی شرم آتی ہے، اس کا پس منظر خود ساختہ کہانیاں ہیں یہ سب حیا باختہ ہیں۔

آج بھی باطل کی یہی کوشش ہے کہ مسلمان معاشرے کے اندر اس تہوار کو رواج دیا جائے اور اتنا عام کیا جائے کی اسلامی تہذیب، اقدار تعلیمات سب کچھ اس بے حیائی کے سیلاب میں بہ جائے اور مسلمان اپنی دینی غیرت و حمیت، عبادات، اعمال اور ذمے داریاں سب بھول کر اس میں گم ہو جائے۔ اب فیصلہ ہمارے ہاتھ میں ہے! ہمیں غلامی کا طوق ڈال کر گلی کے کتے کی طرح زندگی گزارنی ہے یا سر اٹھا کر فخر سے جینا ہے۔

اسلامی تہذیب کی سب سے بڑی خصوصیت شرم و حیا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: إِنَّ لِكُلِّ دِينٍ خُلُقًا وَخُلُقُ الْإِسْلَامِ الْحَيَاءُ "ہر دین کا ایک اخلاق ہوتا ہے اور اسلام کا اخلاق حیا ہے۔"

حیا کا اصل مادہ حیات ہے جس کا مطلب زندگی ہے یعنی امت مسلمہ کی زندگی شرم و حیا سے ہے اور بے حیائی مسلمان قوم کی موت ہے۔ اس لیے آج ہماری زندگیوں سے اس شرم و حیا کو مختلف طریقوں سے ختم کرنے کی سر توڑ کوششیں کی جا رہی ہیں۔

شیطان ہمیشہ بے حیائی کا درس دیتا ہے اور اللہ فرماتے ہیں:

اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَأْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَاءِ (البقرۃ:862) "شیطان تمھیں مفلسی سے ڈراتا ہے اور بے حیائی کے کاموں کی ترغیب دیتا ہے۔"

مغربی تہذیب کے حامی نام نہاد روشن خیال طبقے کا کہنا ہے: یہ تو محبت کا ایک انداز ہے اس میں برائی کیا ہے؟

پہلی بات یہ کہ اسلام میں محبت کی اپنی قیود و حدود ہیں، اسلام کوئی ایسا مذہب نہیں جس میں انسان کی فطرت کی رعایت نہ رکھی گئی ہو، محبت انسان کی فطرت کا تقاضا ہے اسلام نے محبت کرنے سے روکا نہیں ہے بلکہ اس کے طریقے بتائے ہیں۔

اسلام بتاتا ہے محبت کرو اللہ سے، اللہ کے رسول سے پھر ان کے تابع ہو کر ان کے ارشادات کی حدود میں رہ کے اپنے ماں باپ، اپنی بیوی، اپنی اولاد، بہن بھائی، نیک لوگوں سے محبت کرو۔ بیوی کو حکم دیا اپنے شوہر سے محبت کرے۔ غیر سے خود کو بچائے اپنی حفاظت کرے تو کہاں اسلام نے محبت سے روکا ہے محبت کوئی کھیل تماشا یا نام کی چیز نہیں جسے ایک دن یا وقت پر محیط کیا جائے۔ اسلام چند گھنٹوں کی محبت کا درس نہیں دیتا۔ پاکیزہ مذہب پاکیزہ محبت کا درس دیتا ہے۔ یہ چند لمحوں کی محبت تو بس وہی منائیں جن کے ہاں محبت اخلاقیات کا تصور ہی ختم ہو چکا ہے۔

ایسی محبتیں جو دلوں کو عذاب میں مبتلا کر دیں وہ محبت نہیں وہ فسق ہے فجور ہے، حرام ہے گناہ ہے مسلمانوں کو اس سے کوئی نسبت و مناسبت نہیں۔

اسلام تو شوہر کو یہ تعلیم دیتا ہے کہ روز ایسا انداز اپنائے کہ بیوی کے دل میں اس کی قدر مان محبت ہر لمحہ بڑھ جائے۔ بیوی کو تعلیم دیتا ہے کہ شوہر کے لیے خالص رہے کہ ہر لمحہ شوہر کے دل میں اس کی عزت اس کی محبت میں اضافی ہو۔ اولاد کو تعلیم ہے کہ ماں باپ کی ایسی اطاعت کرو کہ اس کے ہاتھ خود بخود تمھارے لیے اٹھیں۔

اسلام تو ہر لمحہ ہر گھڑی محبت کی رہنمائی کر رہا ہے لیکن اس کی کچھ قیود حدود ہیں کہ کس طرح اسے کیا جائے، جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ محبت کا عملی انداز ہے وغیرہ تو ان کی سب تاویلیں بے بنیاد ہیں ذرا مغرب کی حالت دیکھ لیں جہاں یہ تہوار ہر سطح پر منایا جاتا ہے وہاں محبت کی اوسط کیا ہے؟ ان کے گھروں کی، معاشی حالت کیا ہے؟؟؟

غور کیجیے ہمیں ایک گندی تہذیب کے غلط رخ کو مزین کر کے دکھایا جا رہا ہے۔

اللہ فرماتے ہیں: وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ أَعْمَالَهُمْ (النحل:42) "شیطان نے انھیں ان کے کام خوبصورت دکھا رکھے ہیں۔"

ہمارے سامنے گندگی کو خوب صورت خول چڑھا کر پیش کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے یہ آزادی ہے، تفریح ہے، خوشی ہے۔۔۔ ارے ایسا کچھ نہیں ہے اس سے بس گھر برباد ہوتے ہیں، نسلیں برباد ہوتی ہیں، حیا لٹ جاتی ہے، جوانیاں داغ دار ہوتی ہیں، باپ بیٹے کا نہیں، بیٹی ماں کی نہیں رہتی۔۔۔ سب تباہ ہو جاتا ہے۔۔۔۔

اس سے تو گھر، خاندان، معاشرے تباہ ہو جاتے ہیں۔۔۔

ہم الحمدللہ! مسلمان ہیں ہمارے جو تہوار، خوشیاں، تہذیب ہیں وہی کافی ہیں ہمارے لیے ضروری ہے غیروں کے طریقے سے اجتناب کریں۔ یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ ہم اگر یہ کام نہیں کرتے لیکن جو کرتا ہے اس کو اچھا جانتے ہیں یا اس میں شامل ہوتے ہیں یا بس مبارک باد ہی دیں تو خطرہ ہے کہ کہیں ہمارا شمار انھی میں نا ہو جائے۔

ویلنٹائن ڈے کی مبارک باد دینا بھی اسی طرح حرام کہ جس طرح کوئی شراب پیے یا زنا کرے اور اسے مبارک باد دی جائے۔

جو ایمان والے ہوتے ہیں ایسی چیزوں کو پسند نہیں کرتے ایسی محفلوں میں نہیں جاتے۔

اللہ ایمان والوں کی صفات بیان فرماتے ہیں:

وَالَّذِينَ لَا يَشْهَدُونَ الزُّورَ الفرقان:27) "اور جو لوگ شامل نہیں ہوتے جھوٹے کاموں میں۔"

اللہ رب العزت نے اسلام کی شکل میں عظیم الشان نعمت دی ہے اس کی قدر کریں اپنے ماضی کی زندگی پر اللہ تعالیٰ کے سامنے ندامت کے ساتھ اشک بہائیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَلنَّدَمُ التَّوْبَةُ "ندامت ہی توبہ ہے۔"

جہاں تک ہماری ہمت ہے وہاں تک اسلامی زندگی کو رواج دیں جہاں تک ہم کر سکتے ہیں کریں کوتاہی نہ کریں مرد و عورت سب اپنی اپنی صلاحیتیں لگائیں باقی معاملہ اللہ کا ہے اللہ اس کو آسان کر دیں شرط صرف یہ ہے ہر شخص اسے اپنی ذمہ داری سمجھ کر انجام دے۔

اللہ ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

ثبات فقط تغیر کو ہے زمانے میں

ابو عاتکہ توحید

زندگی نشیب وفراز سے عبارت ہے 'اس میں اسپاٹ رستے بھی ہیں 'پُر پیچ گھاٹیاں بھی 'عزت واقبال کی بلندیاں بھی ہیں 'ذلالت اور کمینہ پن کی پستیاں بھی 'امارت کی کشادگی ہے تو غربتوں کی تنگ دستی بھی ! دوستوں کی رفاقت ہے 'حاسدوں کی عداوت 'محبتوں کے نغمے ہیں 'نفرتوں کی خشونت 'رَس بھرے حسین ہونٹوں کی لُبھا دینے والی مسکراہٹیں اور جھوٹے وقار کے تکبر کی شکن آلود جبینیں !

بچپن کی معصوم شوخیاں ہیں 'شرارتیں ہیں 'بے فکری 'لاابالی پن 'امن 'سکون 'شانتی گویا کلیوں کی مسکراہٹیں۔جوانی کی لغزشیں ہیں 'جذبات کی لہریں 'جسموں کی خوشبو 'روٹھنا 'منانا 'خود سپردگی کے لازوال لمحے اور سمٹ جانے کی کٹھن گھڑیاں 'دہکتی ہوئی قربتیں 'مہکتی ہوئی تنہائیاں !

انھی قربتوں میں پنہاں بڑی دور کے نتائج
جو سمٹ گیا وہ موتی 'جو بکھر گیا وہ رائی

زندگی سمٹنے 'سنبھلنے اور بکھر جانے کا نام ہے 'اس کے رستے دلوں کی دھڑکنوں کے قریب سے بھی گزرتے ہیں 'جہاں اپنائیت 'محبت اور چاہت بانہیں کھولے دیدہ ودل فرشِ راہ ہوتی ہے اور طاقت کے ایوانوں سے بھی 'جہاں فرعونیت کا خمار بھی ہے 'موسیٰ علیہ السلام کا وقار بھی 'خمار ٹوٹ جاتا ہے 'نشہ اتر جاتا ہے 'وقار سچا ہو 'حق پر مبنی ہو تو امتدادِ زمانہ سے احتشام حاصل کرتا ہے 'اسے زوال نہیں 'زوال تو انسان کی عمر کو حاصل ہے کہ زندگی بھر کے تجربے لیے جب بڑھاپے میں داخل ہوتا ہے تو بے کسی کی تصویر بن جاتا ہے۔یہ زندگی ختم ہوتی ہے تو پھر سے ایک نئی زندگی کا آغاز ہوتا ہے جس کے بارے میں وعدے ہیں 'وعیدیں ہیں 'انذار ہے 'تبشیر ہے۔کامیاب ہیں وہ لوگ جو اس زندگی میں سرخ رُو رہیں۔

تبدیلی 'تغیر 'نیا پن 'جدت قدرت کے کارخانے میں ہر طرف کارفرما نظر آتی ہے 'روشن روشن دن اندھیری رات میں ڈھل جاتا ہے۔شب کے ٹھنڈے اندھیرے سحر کے خوب صورت اجالوں اور پھر تپتی دوپہروں میں بدل جاتے ہیں 'موسم خزاں جب جوان درختوں کو بڑھاپے کا لباس پہنا دیتا ہے 'تب بہار آتی ہے 'مسکراتی ہوئی اور پھر سے انھیں نئی خلعتیں عطا کرتی چلی جاتی ہے۔

خالقِ کائنات نے انسان کی فطرت میں بھی تبدیلیوں کی تمنا رکھی ہے۔حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم آسمانی کھانوں پر مطمئن نہ ہو سکی اور موسیٰ علیہ السلام کی معرفت خدا سے ان چیزوں کی طالب ہوئی جو زمین اگاتی ہے۔مثلاً : پیاز 'کھیرے 'ککڑی 'دالیں وغیرہ۔

لٰہذا بڑے احمق ہیں وہ لوگ جو عروج کے بعد زوال کو 'شہرت کے بعد گمنامی کو اور زندگی کے بعد موت کو بھول جاتے ہیں اور بڑے نادان ہیں وہ لوگ جو پستیوں میں ہمیشہ رہنے ہی کو اپنا مقدر سمجھ کر مایوسی کے اندھیروں میں لُڑھکتے چلے جاتے ہیں۔

جب کہ بڑے ہی عقل مند ہیں وہ لوگ 'جو سفر زندگی کے ان انقلابات کو محض گردشِ زمانہ کی اُلٹ پھیر سمجھ کر اسے نظر انداز کر کے جانب منزل رواں دواں رہتے ہیں اور بڑے دور اندیش ہیں وہ اہلِ ایماں جو تغیراتِ عالم کو زندگی کا اک جزِ ولاینفک سمجھ کر مقصدیت پر نظریں جمائے حالات کے دوش پر محوِ سفر رہتے ہوئے نہ صرف خود ایک مکمل اور بھرپور زندگی جیتے ہیں 'بلکہ وہ کروڑوں بجھی آنکھوں میں امید کی روشنی اور مایوس دلوں میں جوش کی آگ بھڑکا دینے کا ذریعہ بھی بنتے ہیں۔

جاں نثار صحابہ رضی اللہ عنہ

حضرت مولانا ڈاکٹر محمد عادل خان شہید رح

سلیم اللہ لقمان

وہ جرأت کا پیکر وہ رہبر کہاں ہے؟
جواں دل وہ مانند لشکر کہاں ہے؟

وفاؤں امیدوں کا تھا وہ سہارا
علومِ شریعت کا روشن منارہ
یہی پوچھتی ہیں یہ ویراں محافل
وہ قرآن و سنت کا خوگر کہاں ہے؟

بنا دھوم سے باغِ جنت کا مہماں
وہ ساقی وہ مینا وہ ساغر کہاں ہے؟
کہاں ہے دلوں کو بدل دینے والا؟
کہ نغمے ہیں مضطر سخن ور کہاں ہے؟

صحابہؓ کی حرمت پہ جاں اپنی دے کر
وہ جینے کا مقصد بتا کر گیا ہے
دیوانے کہیں گے ضرورت پڑے جب
تلاطم بھنور کے شناور کہاں ہے؟

تواضع کا پیکر گنوایا ہے ہم نے
وہ محبوبِ طلاب دلبر تھا ہم میں
وہ تھا شیخ عادلؒ فدائے صحابہؓ
سلیمیؒ مشن کا مفکر کہاں ہے؟

بچھڑ کر یتیمی تھما وہ گیا ہے
زمانے سے خود کو جدا کر گیا ہے
سلیم اب تو پوچھے گا ہر اک یہی بس
ستارہ جو تھا اک منور کہاں ہے؟

NEW Zaiby Jewellers CLIFTON

A trusted name in jewellery since 1974

Creafted with

CARE & LOVE

021 35835455,
35835488

S-11, Yousuf Grand Square,
Block 8, Clifton, Karachi

newzaibyjewellers

سفینہ

برگِ گُل

اُمِ نسیبہ

جب وہ اسکول کی پڑھائی میں نہ چل سکی اور میٹرک میں دو مضامین میں فیل ہوگئی تو تھک ہار کے اس کی امی نے اسے قریبی مدرسے میں یہ سوچ کر داخلہ دلوادیا کہ چلو کچھ دینی علم حاصل کرلے گی۔ اسکول کی بنسبت اسے یہاں کا ماحول اچھا لگا اور وہ دل لگا کر پڑھنے لگی۔ گو وہ پڑھائی میں کچھ خاص نہ تھی مگر اسے یہاں کوئی حقیر نہیں سمجھتا تھا۔ جماعت کی اول آنے والی لڑکی اس کے ساتھ بیٹھنے میں عار محسوس نہ کرتی اور پڑھائی کے معاملے میں ہر وقت مدد کو تیار رہتی۔ اور تو اور شفیق اساتذہ ہر طالبہ کو اپنی اولاد کی طرح چاہتے اور غلطیوں پر بے عزت کرنے کی بجائے والدین کی طرح تنبیہ کرتے۔ وہ بہت خوش تھی۔ اب گھر میں شوق سے کتابیں کھول کر بیٹھتی تو اسے دیکھ کر اس کی والدہ بھی شکر ادا کرتیں۔ اس کے سب بہن بھائی بہت ذہین تھے اور تعلیمی میدان میں والدین کا نام خوب روشن کررہے تھے۔ ایک اس کی طرف سے اس کی والدہ پریشان رہتی تھیں اب وہ پریشانی بھی ختم ہوگئی تھی۔

ایک سال گزر گیا اور وہ گھر والوں کی توقع سے بڑھ کر اچھے نمبر لے کر پاس ہوگئی۔ دوسرا سال شروع ہوا تو اساتذہ نے طالبات کی دینی تربیت پر زور دینا شروع کیا۔ وقت پر نماز ادا کرنے اور روزانہ معمولات کی پابندی کی تعلیم دی جانے لگی۔ ایک روز اس نے گھر آکر اماں سے برقع خریدنے کی فرمائش کرڈالی۔

"اماں مجھے برقع دلا دو نا۔ کلاس میں سب لڑکیاں راستے سے برقع اوڑھ کر مدرسے آتی ہیں۔"

"یہ اتنی بڑی چادر اوڑھ کر تو جاتی ہے بس یہ کافی ہے۔ ویسے بھی لوگ کیا کہیں گے کہ ماں اور بڑی بہن تو برقع نہیں اوڑھتیں اور یہ چھوٹی کو دیکھو برقع پہنے گھوم رہی ہے۔" اماں بولیں۔ یہ پہلی مخالفت تھی جو اس کی ماں کی جانب سے ہی ہوئی تھی۔

اس نے بھی ابا سے ضد کرکے اماں کو رضامند کرلیا اور برقع پہننے لگی۔ اسے بے حد سکون محسوس ہوا جسے وہ لفظوں میں بیان کرنے سے قاصر تھی۔

"ہاہاہا پوری طالبان لگ رہی ہو۔" یہ اس کا بھائی تھا۔ جو اسے برقع اور نقاب میں دیکھ کر بے اختیار ہنسا تھا۔

"اماں مجھے عائشہ کے ساتھ جاتے ہوئے شرم آتی ہے۔ بوڑھی دادی اماں لگتی ہے۔" یہ اس کی بڑی بہن زینب کے الفاظ تھے۔

◆◆◆

خاندان کی محفلوں میں اب اکثر وہی موضوعِ سخن ہوا کرتی۔ ملانی، حجن بی، طالبان، بی اماں اور پردے والی بی بی جیسے القابات سے نوازی گئی۔

مگر اس پر ان باتوں کا اب خاص اثر نہیں ہوتا تھا۔ اس کے اساتذہ پہلے ہی اس کا ذہن تیار کر چکے تھے کہ سب سے پہلے مخالفت قریبی لوگوں کی طرف سے ہی ہوتی ہے۔ اسے بتایا گیا تھا کہ یہ مخالفتیں، تضحیک، ہنسی اڑانا یہ باتیں تو اسے نکھار رہی ہیں، یہ تنقید تو اسے سنوار رہی ہے۔

اسے اپنی ایک باجی جان کی بات بہت پسند تھی وہ کہتی تھیں کہ جب اللہ کے دین کے لیے لوگوں کی طرف سے دل ٹوٹتے ہیں تو ان ٹوٹے دلوں میں اللہ پاک سما جاتے ہیں۔ درد کی دوا بن جاتے ہیں۔ پھر کسی کی مخالفت بری نہیں لگتی۔

بظاہر لوگ سمجھتے کہ دنیا کی رونقوں سے کٹ کر وہ بہت مشکل زندگی گزار رہی ہے مگر حقیقت میں اسے عبادت اور اللہ کے ساتھ گفتگو کرنے کا اب جو مزا آنے لگا تھا دنیا کی رنگینیاں اور رونقیں تو اس کے آگے ہیچ تھیں۔ مگر اسے یہ معلوم نہ تھا کہ یہ تو شروعات ہے۔

ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں کے مصداق اسے ابھی بہت کچھ سہنا تھا۔ مگر ایک طمانیت و سکون کا عجب احساس تھا جو اسے ہر مشکل کے وقت تھامنے کے لیے تیار رہتا تھا۔ وقت گزرتا رہا اور وہ تعلیم کے آخری سال میں پہنچ گئی۔

ایک شام تو اس کے گھر میں طوفان ہی آگیا۔

"کیا۔۔۔ تم رشتے داروں سے بھی پردہ کروگی۔؟ یہ اس کی اماں بولی تھیں۔

"جی اماں۔۔۔" وہ فقط اتنا ہی کہہ پائی۔

"میری شادی سر پر کھڑی ہے اور تمھیں نئی نئی باتیں سوجھ رہی ہیں۔ کیوں عین ٹائم پر فساد کھڑے کررہی ہو۔" یہ اس کی آپی تھیں۔

"نہیں آپی فساد کیسا۔" وہ منمنائی۔

"یہ ڈرامے بند کرو بہت دیکھی ہیں پردے والیاں۔ باہر اس برقع کے پیچھے جو ہوتا ہے سب معلوم ہے۔ ویسے بھی پردہ تو نظر کا ہوتا ہے۔" یہ اس کا بھائی تھا۔

"آہ۔۔۔ پردہ تو نظر کا ہوتا ہے۔۔ اسی سوچ نے تو آدھی انسانیت کو ننگا کردیا ہے۔" وہ فقط سوچ ہی سکی، کہہ نہ پائی۔

"بیٹا۔۔۔ لوگ کیا کہیں گے۔ تم سب سے ملنا جلنا کیسے چھوڑ سکتی ہو۔"

یہ اس کے شفیق ابا جی تھے جو لوگوں کی باتوں سے ڈر رہے تھے۔

"نہیں نا۔۔ ملنا کیوں چھوڑوں گی۔۔ محرم رشتے داروں سے ملوں گی' تمام خواتین سے ملوں گی۔"

الفاظ اس کے سامنے جیسے اپنے تہی داماں ہونے کا رونا رو رہے تھے۔ وہ حق پر ہوتے ہوئے بھی بولنے سے ہچکچا رہی تھی اور اپنوں کے ہی سامنے کٹہرے میں کھڑی تھی کہ سورہ عنکبوت کی آیت نے اس کے لیے آگہی کے کئی در وا کر دیئے۔

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَھُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ۔

"کیا خیال کرتے ہیں لوگ کہ وہ ایمان لانے کے بعد چھوڑ دیے جائیں گے اور انہیں آزمایا نہیں جائے گا۔"

آنسو اس کی آنکھوں سے تواتر کے ساتھ بہ پڑے اور وہ جائے نماز پر کھڑی ہو گئی۔ آخری آواز جو اس نے سنی وہ اماں کی تھی جن کا کہنا تھا کہ چھوڑ دو اس لڑکی کو اس کے حال پر یہ چند روزہ بھوت ہے جو جلد اتر جائے گا۔

کتنے ہی امتحان اور آزمائشیں اس کی زندگی میں آئیں مگر وہ رب کے فضل سے مضبوط رہی۔

ایسا وقت بھی آیا کہ اپنے اس سے کٹ گئے جن بچپن کی دوستوں پر اسے بڑا مان تھا وہ اس سے دور ہو گئیں۔ ماموں زاد' خالہ زاد' پھوپھی زاد' چچازاد جن کی کبھی وہ آنکھ کا تارا ہوا کرتی تھی اب اس سے کترانے لگیں کہ کہیں ہمیں درس نہ دینے لگے ہم پر فتویٰ نہ جھاڑے۔ وہ تنہا ہو گئی تھی' سب کٹ گئے تو رب نے اسے خود سے جوڑ لیا۔ ہاں!!! وہ رب کب کسی کو تنہا کہاں چھوڑتا ہے اس کے بندے ہی اس سے دور ہو جاتے ہیں۔

یٰٓاَیُّھَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّکَ بِرَبِّکَ الْکَرِیْمِ۔

اے انسان کس چیز نے تمہیں اپنے کریم رب سے دھوکے میں ڈال دیا ہے۔

اسے حدیث پاک کے الفاظ یاد آتے کہ آخری زمانہ آئے گا جب دین پر عمل کرنے والے اجنبی ہو جائیں گے اور فَطُوْبٰی لِلْغُرَبَا (پس آپ خوش خبری سنا دیجیے ان اجنبیوں کو) وہ مسکرانے لگتی۔

دل ٹکڑے ٹکڑے ہوتے ہوئے بھی وہ سرشاری کی ایک انوکھی کیفیت میں مبتلا تھی۔ وہ کمزور سی لڑکی اکثر اپنی مضبوطی پر خود حیران رہ جاتی اسے اپنے رب پر ڈھیروں پیار آتا ہے کہ اس کی توفیق اور فضل کے بغیر وہ تو کچھ بھی نہیں۔

آپی کی شادی کے دوران ہر روز اس کے لیے محاذ کھڑا کر لیا جاتا۔ جب اس نے مایوں مہندی میں شرکت سے انکار کیا تو اس کی جان سے پیاری آپی نے جو اس پر جان چھڑکنے والی تھیں یہاں تک کہہ دیا کہ عائشہ ان کی خوشیوں سے جل رہی ہے۔

اور وہ آسمان کی طرف دیکھ کر اتنا ہی کہتی "اللہ پاک آپ تو سب کچھ جانتے ہیں نا۔۔ بس آپ مجھے ڈگمگانے سے بچا لیجیے گا مجھے استقامت دیجیے گا۔"

بہن کے نکاح کے روز وہ نک سک سے تیار تو ہوئی مگر پورا وقت مکس گیدرنگ کی وجہ سے گھر والوں کی مخالفت مول لے کر برقع پہنے ہال میں رہی۔ اماں کو تو یہ فکر کھائے جا رہی تھی کہ اس کو کوئی دیکھے گا نہیں تو رشتے کے لیے پسند کیسے کرے گا۔

وہ کہنا چاہتی تھی کہ رشتے انسان نہیں بناتے۔ وہ تو خالقِ کائنات آسمانوں پر فیصلے کرتے ہیں۔

اس کے بہنوئی اس بات پر نالاں تھے کہ ان کی اکلوتی سالی ان سے پردہ کرے گی۔ ان کا موڈ خراب تھا تو آپی بھی اس سے ملے بغیر رخصت ہو گئیں۔

دل ٹوٹا۔۔۔ آنسو بہے مگر رب کی رضا کے آگے اس کے لیے کچھ نہیں تھا۔ اس نے آسمان کی جانب دیکھا، "اللہ پاک آپ تو جانتے ہیں نا۔۔۔" اتنا ہی کہہ سکی۔

وہ رب کے حکموں پر چل رہی تھی رب نے اس کے دل کو نورانیت سے بھر دیا تھا۔

جو چند رشتے اس کے لیے آئے انہیں یا تو اس کے مدرسے میں پڑھنے پر اعتراض ہوتا یا وہ اس کے پردہ کرنے کو ناپسند کر کے چلے جاتے اور ان کے جانے کے بعد اماں سے اس کی درگت بننے کا نیا دَور شروع ہو جاتا۔

"اور بنو ملانی۔۔۔ کرتی پھرو سب سے پردہ' کمرے میں بند ہو جاؤ اور اعتکاف بیٹھ جاؤ۔۔ ارے کیوں بڑھاپے میں ماں باپ کو خوار کر رہی ہو۔۔ کون کرے گا تجھ سے شادی۔۔ کیوں مجھے گنہگار کرتی ہو۔۔"

اماں شروع ہی ہو جاتیں اور وہ اکثر پیار سے کبھی اماں کے کندھے دبانے لگتی تو کبھی زبردستی ان کے گلے لگ جاتی۔

"اماں مجھ عاجز اور ناکارہ کو رب نے اپنے علم کی دولت عطا کی تو میرا فرض بنتا ہے نا کہ اس علم پر عمل بھی کروں۔ ان شاء اللہ اللہ پاک مجھ کمزور کو تنہا نہیں چھوڑیں گے۔"

وہ ایک خاص جذب کے عالم میں کہتی تو اماں اسے حیرت سے تکتیں۔

◆◆◆

پھر ایک دن امتحانات سے کچھ روز قبل اس کی ایک معلّمہ اس کے گھر اپنے بھائی کا رشتہ لے کر آئیں اور اماں بابا نے مناسب تحقیق کے بعد رشتہ پکا کر دیا اور شکر بھی ادا کیا کہ انہیں اس کے رشتے کے لیے زیادہ پریشانی نہیں اٹھانی پڑی۔

امتحانات کے فوراً بعد وہ سادگی سے پیا دیس سدھار گئی۔

◆◆◆

ننھی بریرہ کے رونے سے اس کے خیالات کا تسلسل ٹوٹا اور وہ حال میں واپس آئی۔

اسے پتا ہی نہیں چلا کہ آنسو کب سے اس کا دامن بھگو رہے تھے۔

آج خاندان بھر میں سب سے زیادہ قابلِ رشک زندگی اس کی تھی۔ اس کا ہم سفر اس پر جان چھڑکنے والا تھا۔ اس کی اماں اور ابا برملا کہتے تھے کہ اللہ نے ہماری عائشہ کے مجاہدے کو قبول کر لیا ہے۔ وہ جان گئے تھے کہ دین پر مکمل عمل کرنے سے زندگی کتنی پرسکون ہو جاتی ہے۔

واقعی ایک وقت آتا ہے جب معجزے ہوتے ہیں' دعائیں سن لی جاتی ہیں' زخم بھر دیے جاتے ہیں' کن فرما دیا جاتا ہے۔۔۔ صرف ایمان توکل اور صبر کی بات ہے۔

سفینۂ برگِ گل بنا لے گا قافلہ مورِ ناتواں کا
ہزار موجوں کی ہو کشاکش لیکن یہ دریا کے پار ہوگا

آزادی کے لیے قربانی

ابلیہ محمد فیصل

وہ دھیرے دھیرے اس اندھیرے اور سنگلاخ راستے پر پھونک پھونک کر قدم رکھتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ اس کے پیچھے اس کے پانچ ساتھی بھی تھے۔ گہرا سناٹا چھایا ہوا تھا' ہو کا عالم تھا' ان سب کو اپنے دل کی دھڑکن بھی صاف محسوس ہو رہی تھی۔ پتھریلے راستے پر چلنا بہت دشوار ہو رہا تھا۔ تھوڑا ہی آگے جنگل شروع ہونے والا تھا' جس کے بیچوں بیچ ان کی منزل تھی۔ آج اس پر وہ کر دکھانے کی دھن سوار تھی' جو اس کو اس کے بابا جانی سے منتقل ہوئی تھی۔ انہیں جب بھی موقع ملتا' وہ بیٹے کو وطن کی آزادی کا سبق دیا کرتے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ کشمیر ہمارا ہے' ہم اسے حاصل کر کے رہیں گے' چاہے ہمیں کتنی ہی قربانی دینی پڑے اور پھر اسی آزادی کے لیے لڑتے لڑتے بابا جان اپنی جان بطور نذرانہ کئی سال پہلے پیش کر چکے تھے۔

◆◆◆

"دانی' دانی' کہاں ہو تم! ارے میرا بیٹا شہزادہ بیٹا"! بابا جانی نے دانش کو گود میں بھرتے ہوئے کہا۔

"بابا جان آپ اتنے دنوں بعد کیوں آئے؟" ننھا دانش منہ پھلاتے ہوئے بولا۔

"بیٹا ہم اپنے وطن کو آزاد کروانا چاہتے ہیں' اس کے لیے ہمیں ایک دوسرے سے دور رہنے اور جدائی کی قربانی دینا پڑے گی۔ آج بھی میں اپنے بیٹے سے ملنے کے لیے بڑی مشکلوں سے آیا ہوں۔" کمانڈر ساجد نے روٹھے بیٹے کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

"اچھا! یہ بتاؤ میرے بیٹے کی پڑھائی کیسی چل رہی ہے؟"

"بہت اچھی بابا جان! اور آپ کو پتا ہے بابا جان! نشانے بازی میں' میں پوری کلاس میں اول آیا ہوں۔ ایسے ہی نشانے تاک تاک کر ماروں گا اپنی وطن آزاد کروانے کے لیے"۔ دانش جوش سے بولا۔

اس کے اس جوش اور معصوم انداز کو دیکھتے ہوئے بابا جانی کھلکھلا کر ہنس پڑے۔ "ان شاء اللہ! ان شاء اللہ! ایک دن میرا بیٹا سالار بن کر میدان میں اترے گا اور غاصب آرمی دم دبا کر بھاگ جائے گی" پیچھے سے امی جان کی آواز آئی۔

اور پھر تینوں فضا میں آزادی کا خوب صورت خواب کھلی آنکھوں سے تلاش کرنے لگے۔

◆◆◆

آزادی کی اسی آرزو اور خواہش کے ساتھ دانش پروان چڑھ رہا تھا کہ ایک دن بابا کی میت دروازے پر آ گئی۔ جب کہ بابا کو گھر آنا تھا' وہ بے چینی سے صحن کے چکر کاٹ رہا تھا مگر آج عجیب سی بے چینی پھیلی ہوئی تھی اور پھر دروازے پر ایک گاڑی رکنے کی آواز آئی' وہ بھاگتا ہوا دروازے کی طرف دوڑا مگر آج بابا اپنے پیروں پر نہیں بلکہ اپنے ساتھیوں کے کندھوں پر آئے تھے۔ ان کے تابوت پر پاک وطن کا جھنڈا سجا ہوا تھا' جب بھی کوئی کشمیری مجاہد شہید ہوتا' اس کے ساتھی اس کے تابوت پر پاکستان کا جھنڈا لپیٹ دیا کرتے۔ اس نے اپنے بابا کے جسد خاکی سے وعدہ کیا کہ وہ بھی اپنے بابا کی طرح اپنے وطن کی آزادی کے لیے لڑے گا۔ اسی دن سے یہ دھن اس پر سوار ہو گئی تھی۔ وطن کی محبت اور بابا سے کیے وعدے کی پاسداری کے لیے اس نے دن رات ایک کر دیا اور ہر اس شعبے میں اپنے آپ کو طاق کیا جس سے ظالم اور غاصب فوج کے پرخچے اڑا سکے۔

◆◆◆

آج کمانڈر دانش اپنے ساتھیوں کے ہمراہ غاصب فوج کے ایک بیس کیمپ کی طرف خاموشی کے ساتھ بڑھ رہا تھا' اسے اپنے سالار کی طرف یہ کیمپ اڑانے کا ہدف ملا تھا' یہ کیمپ دراصل پاکستان میں تخریب کاری کے لیے قائم کیا گیا تھا۔ جن لوگوں کو پاکستان میں تخریب کاری کے لیے بھیجنا ہوتا' ان کی یہاں تربیت ہوتی تھی۔ اسے یہ بھی بتایا گیا تھا کہ آج رات جنرل مکیش کیمپ کا جائزہ لینے آئے گا۔ دانش کے سالار کا جاسوسی نظام بہت مضبوط تھا' اسے یہ بھی خبر تھی کہ تخریب کاروں کے ایک گروپ کی ٹریننگ مکمل ہوئی ہے اور وہ جلد ہی پاکستان لانچ کریں گے۔ بلکہ جنرل مکیش ان تخریب کاروں کو خود ملنے آیا تھا۔ دانش کو اس کے سالار کا حکم تھا کیمپ تباہی کے ساتھ جنرل بھی بچ کر نہ جانے پائے۔ اسی مقصد کے لیے وہ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ سینہ تانے آگے بڑھا جا رہا تھا۔ آخر وہ لوگ اس کیمپ کے قریب پہنچ گئے۔

ایک باریک سی پرندے کی آواز کے ساتھ اس نے اپنے ساتھیوں کو پیغام بھیجا اور خود خاموشی کے ساتھ اطراف کا جائزہ لینے لگا۔ طے شدہ پروگرام کے مطابق اس کے ساتھیوں نے پہلے راکٹ فائر کیے اب اندھیرے جنگل میں آگ کے شعلے بلند ہو رہے تھے انڈین آرمی میں ہڑبونگ مچ گئی مگر پھر وہ فوراً اپنی پوزیشن سنبھال کر مقابلے پر ڈٹ گئے۔

آمنے سامنے فائرنگ کا تبادلہ ہو رہا تھا دشمن بڑا گھاگ تھا چونکہ دشمن اس علاقے سے اچھی طرح واقف تھا اس لیے وہ تاک تاک کر نشانے مار رہا تھا۔

کمانڈر دانش اپنے ساتھیوں کا حوصلہ بڑھاتے ہوئے سب سے آگے تھے۔ دشمن بری طرح پسپا ہو رہا تھا۔ کمانڈر دانش اپنے ساتھیوں کے ساتھ قدم قدم آگے بڑھ رہے تھے' پھر کمانڈر دانش اور جنرل مکیش ایک دوسرے کے سامنے تھے۔ دانش جنرل مکیش کو نشانہ بنانے ہی لگے تھے کہ اچانک ہی جنرل مکیش نے دستی بم کمانڈر دانش کی طرف اچھال دیا' دانش گرتے چلے گئے اور پیچھے آتے ان کے نائب مراد نے نعرہ تکبیر بلند کرتے ہوئے جنرل مکیش پر برسٹ کھول دیا جنرل مکیش اپنے انجام کو پہنچ گیا۔ مراد اور ان کے ساتھی تابڑ توڑ فائرنگ کرتے ہوئے اسلحے کے ڈپو تک پہنچ گئے اور پھر ڈپو میں آگ کے شعلے بلند ہونے لگے' ایسی آگ جو سارے ذخیرے کو جلا کر ہی بجھ سکی۔

شدید زخمی کمانڈر دانش نے جنرل مکیش کے جہنم واصل ہونے اور اسلحہ ڈپو کو جلتا دیکھ کر خوشی سے بے قابو ہوتے ہوئے ساری قوت جمع کرتے ہوئے تکبیر کا نعرہ بلند کیا۔ سالار کی جانب سے دیا گیا مشن پورا ہو چکا تھا۔

کشمیر سے آیا ہے نامہ آپ کے نام

فرح مصباح

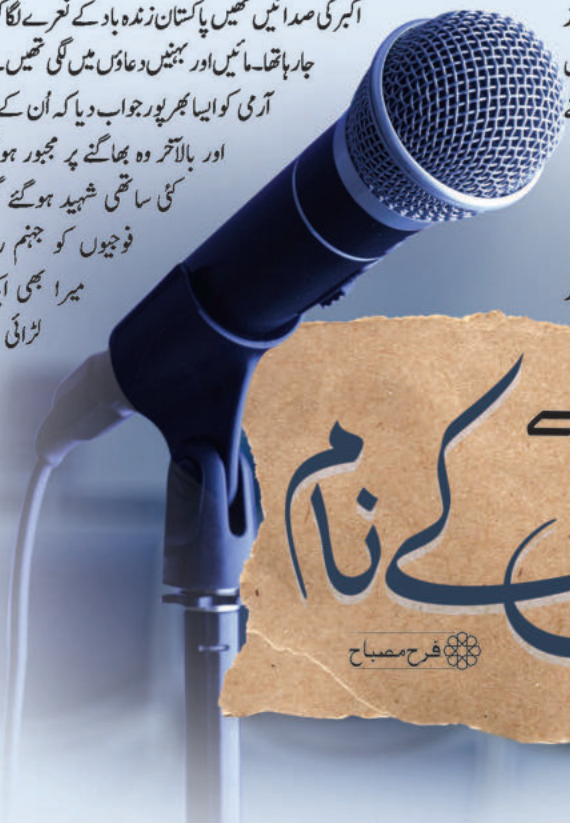

صبح اٹھی تو موبائل پر ایک پیغام دیکھا، جو میری ایک سہیلی کی طرف سے تھا۔ انہوں نے مجھے دعوت دی تھی کہ کشمیری بھائیوں پر ہونے والے مظالم پر ایک کانفرنس منعقد کی جا رہی ہے، آپ اس میں ضرور شریک ہوں۔ کسی بھی پاکستانی کی کشمیر سے محبت فطری بات ہے۔ سو میں نے فیصلہ کر لیا کہ مجھے اس کانفرنس میں ضرور شریک ہونا ہے۔ گھر سے نکلتے ہوئے مقبوضہ کشمیر سے آیا ہوا ایک کشمیری بھائی کا خط اپنے ساتھ رکھ لیا کہ اگر بات کرنی پڑی تو اپنے الفاظ کی بجائے انہی کے الفاظ سنا دوں گی۔

کانفرنس بڑی پُر رونق تھی تلاوت کلامِ پاک اور حمد و نعت رسول ﷺ سے کانفرنس کا آغاز ہوا۔ مقررین آتے گئے اور ظلم کی داستان سناتے گئے۔ آنکھیں اشکبار ہوتی گئیں اور دل صدمے میں ڈوبتا چلا گیا کہ عالمی امن کی تنظیمیں دنیا میں کیسا انصاف کر رہی ہیں، ذرا سوچنے کی بات ہے۔

انصاف کے پردے میں یہ کیا ظلم ہے یارو!
دیتے ہو سزا اور خطا اور ہی کچھ ہے

میرے نام کا اعلان کیا گیا تو لرزتے پاؤں کے ساتھ ڈائس پر بسم اللہ سے اپنی بات کا آغاز کیا اور سامعین سے اجازت چاہتے ہوئے کشمیری بھائی کا خط پڑھنا شروع کیا۔ لیجیے آپ بھی پڑھیے!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ میرا تعلق دنیا کی جنت نظیر وادیٔ کشمیر سے ہے۔ جہاں ایک طرف بلند و بالا سرسبز و شاداب پہاڑوں کا سلسلہ ہے، تو دوسری طرف ان پہاڑوں سے نکلتے چشموں کا راج ہے۔ جو یہاں آتا ہے، مسحور ہو جاتا ہے۔ ایک قطرہ پانی پینے والا امرت جل ہی بھول جاتا ہے۔ میں اس خوب صورت وادی کا ایک باسی ہوں۔ گزشتہ 14 اگست کی رات پاکستان کے قومی آزادی کے دن ہم نے اپنے گاؤں میں ایک جلسہ منعقد کیا۔ گاؤں کے چھوٹے بڑے سب ہی لوگ پُر جوش تھے، اور اپنی اپنی حیثیت کے مطابق انتظامات میں مصروف تھے۔ ہم اہلِ کشمیر کو پاکستان سے وہ نسبت ہے، جو مچھلی کو پانی سے، اور جسم کو روح سے ہے۔ ہماری تحریک آزادی پاکستان کے لیے ہے اور دشمن کو ہماری یہی تحریک کھٹکتی ہے۔ وہ لوگ اسی تحریک اور نظریے کو ختم کرنا چاہتے ہیں، اور ہم اسی تحریک اور نظریے کے ساتھ سانس لیتے ہیں۔ نہ جانے ہمارے کتنے عزیز رشتے دار اسی جدوجہد میں دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں۔ اور کتنے ہی کٹے ہوئے ہاتھوں، پاؤں اور جسم پر زخموں کے ساتھ زندگی گزار رہے ہیں۔ اُن کا شمار ہی کوئی نہیں۔ میں نے کہا نا! کہ ہماری سانسیں اسی تحریک کے ساتھ چلتی ہیں۔ ایسی اذیت برداشت کرنا ہم لوگوں کے لیے ایک معمول کی بات ہو چکی ہے۔ تعلیم کے لیے بچوں کا بیگ اٹھا کر اسکول جانا، بیماروں کا بہ سلامت شفاخانے پہنچنا، شادی بیاہ میں خوش ہونا، یہ سب ہمارے لیے ماند پڑ چکا ہے۔

اس جلسے کی رات انڈین فوجیوں نے ہم پر دھاوا بول دیا۔ یہاں ماؤں نے بچوں کو دودھ دینے کے ساتھ یہ سبق پڑھایا ہوا ہے کہ "بیٹا! تم مردِ مجاہد ہو، اللہ کی راہ میں یا تو جان دینا یا سینہ سپر ہو کر دشمن کا سامنا کرنا لیکن گھبرانا نہیں، کیوں کہ پاکستان ایک مسلم ملک ہے اور ہم خود کو پاکستان کا حصہ سمجھتے ہیں۔ میں چاہتی ہوں تم اس جدوجہد میں ایک تاریخی انسان بن کر سامنے آؤ۔ تم خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی تلوار کو زندہ کرو۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا دبدبہ دشمن پر طاری کرو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ جیسی شجاعت کو سامنے رکھو۔"

چناں چہ جب انڈین آرمی نے حملہ کیا تو یہ نہتے کشمیری اُن پر زخمی شیر کی طرح پل پڑے۔ اللہ اکبر کی صدائیں تھیں پاکستان زندہ باد کے نعرے لگا کر جوش بڑھایا جا رہا تھا۔ مائیں اور بہنیں دعاؤں میں لگی تھیں۔ ہم نے انڈین آرمی کو ایسا بھرپور جواب دیا کہ اُن کے قدم اکھڑ گئے اور بالآخر وہ بھاگنے پر مجبور ہو گئے۔ ہمارے کئی ساتھی شہید ہو گئے مگر کئی انڈین فوجیوں کو جہنم رسید کر گئے۔ میرا بھی ایک بازو اس لڑائی میں بہت شدید زخمی ہو چکا تھا۔ صبح کے اجالے میں ہم نے اپنے مسلمان بھائیوں کو اعزاز کے ساتھ دفن کر دیا۔ کسی کی چھوٹی بیٹی اور کسی کا چھوٹا بیٹا، کسی کا بوڑھا باپ تو کسی کی بوڑھی ماں اپنی آنکھوں کے ساتھ اپنے پیارے کو زمین میں منوں تلے دفن دیکھ رہے تھے۔ لیکن سب عزم کی چٹان تھے اور یہ کہہ رہے تھے:

یہ بات سچ ہے تمھیں ظلم میں مہارت ہے
یہ بات بھی تو حقیقت ہے میں نہیں ڈرتا

ہمیں یہ امید ضرور ہے کہ جنت میں ہم سب ضرور ملیں گے۔ یہ مشکل وقت ان شاء اللہ گزر ہی جائے گا۔ اگرچہ میں کبھی دل ہی دل میں یہ باتیں کرتا ہوں کہ یہ بہتی ندیاں، خوبصورت باغات اور اونچے پہاڑ، یا اللہ! اس خوبصورتی کے ساتھ ہمیں سکون بھی نصیب کر۔ اور مجھے یقین ہے کہ ایک دن یہ سکون ہمیں ضرور نصیب ہوگا۔ ہماری نسل بھی سکون سے تعلیم حاصل کرے گی۔ ہمارے یہاں بھی مہمانوں کی آمد و رفت سکون کے ساتھ ہوگی۔ اور ہم اپنی قبروں میں سکون کے ساتھ جا سکیں گے۔

ہم کافروں کے ساتھ نہیں رہنا چاہتے اور یہی ہمارا جرم ہے جس کی سزا ہمیں اتنے سالوں سے ملتی آئی ہے۔ آپ لوگوں سے دعا کی درخواست کرنے کے لیے یہ خط آپ لوگوں کی طرف بھیجا ہے۔ میں دعا کرتا ہوں کہ ہم سب ایک دن آزادانہ ایک دوسرے سے پاکستان میں ملیں۔ آپ ہمیں اپنی دعاؤں میں ضرور یاد رکھیے گا۔ والسلام

فقط آپ کا دوست حسنین علی

کیسی پسند

ارم شمیم

گورنر نجم الدین ایوب کافی عمر ہونے تک شادی سے انکار کرتا رہا۔

ایک دن اس کے بھائی اسد الدین شیر کوہ نے اس سے کہا: "بھائی! تم شادی کیوں نہیں کرتے؟"

نجم الدین نے جواب دیا۔ "میں کسی کو اپنے قابل نہیں سمجھتا۔"

یہ سن کر اسد الدین نے کہا۔ "میں آپ کے لیے رشتہ مانگوں؟"

"کس کا؟" نجم الدین نے پوچھا

"ملک شاہ بن سلطان محمد بن ملک شاہ سلجوقی کی بیٹی کا یا وزیر المک کی بیٹی کا....؟"

یہ سن کر نجم الدین بولا۔ "وہ میرے لائق نہیں۔۔۔۔۔۔" اسد الدین دھک سے رہ گیا اور پوچھا: "پھر کون آپ کے لائق ہو گی؟"

نجم الدین نے جواب دیا۔ "مجھے ایسی نیک بیوی چاہیے، جو میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے جنت میں لے جائے اور اس سے میرا ایک ایسا بیٹا پیدا ہو، جس کی وہ بہترین تربیت کرے، وہ شاہ سوار ہو اور مسلمانوں کا قبلہ اول واپس لے...."

اسد الدین کو نجم الدین کی بات پسند نہ آئی اور اس نے کہا۔

"ایسی لڑکی آپ کو کہاں ملے گی؟"

نجم الدین نے جواب دیا۔ "نیت میں خلوص ہو، تو اللہ نصیب کرے گا...."

یہ سن کر اسد الدین خاموشی سے اسے تکنے لگا۔

ایک دن نجم الدین مسجد میں تکریت کے ایک شیخ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک لڑکی آئی اور پردے کے پیچھے سے ہی شیخ کو آواز دی۔

شیخ نے لڑکی سے بات کرنے کے لیے نجم الدین سے معذرت کی۔ نجم الدین سنتا رہا کہ شیخ لڑکی سے کیا کہہ رہا ہے۔

شیخ نے لڑکی سے کہا۔

"تم نے اس لڑکے کا رشتہ کیوں مسترد کر دیا، جس کو میں نے بھیجا تھا....؟"

"اے ہمارے شیخ اور مفتی! وہ لڑکا واقعی خوب صورت اور رتبے والا تھا، مگر میرے لائق نہیں تھا

شیخ حیرت سے بولا۔ "کیا مطلب۔۔۔۔۔۔ تم کیا چاہتی ہو؟"

"شیخ! مجھے ایک ایسا لڑکا چاہیے، جو میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے جنت میں لے جائے اور اس سے مجھے اللہ ایک ایسا بیٹا دے، جو شاہسوار ہو اور مسلمانوں کا قبلہ اول واپس لے...." نجم الدین حیران رہ گیا، کیوں کہ جو وہ سوچتا تھا، وہی یہ لڑکی بھی سوچتی تھی۔

نجم الدین جس نے حکمرانوں اور وزیروں کی بیٹیوں کے رشتے ٹھکرائے تھے، شیخ سے کہا:

"اس لڑکی سے میری شادی کروا دیں...."

"یہ محلے کے سب سے فقیر گھرانے کی لڑکی ہے...." شیخ نے جواب دیا یہ سن کر نجم الدین نے کہا۔ "میں یہی چاہتا ہوں۔"

پھر نجم الدین نے اس فقیر مگر متقی لڑکی سے شادی کر لی اور اسی سے وہ شاہ سوار پیدا ہوا، جسے دنیا "سلطان صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ" کے نام سے جانتی ہے۔

جنھوں نے مسلمانوں کے قبلہ اول بیت المقدس کو آزاد کروایا....

ندامت کے آنسو

رومیصا اسلم

رخسار آج رات کے آخری پہر اپنے رب کے حضور سجدہ ریز ہو کر آنکھوں سے اشکوں کے دریا بہاتے ہوئے اپنے ماضی کے گناہوں اور غفلت میں گذاری زندگی پر انتہائی نادم ہو کر مصلے پر ندامت کے آنسو بہا رہی تھی اور اپنے رب سے سرگوشیاں کرتے ہوئے وہ سکون قلب حاصل کر رہی تھی جس کی وہ برسوں سے متلاشی تھی۔ اسے قرآن کی اس آیت نے مطمئن کر دیا تھا اور اس کے دل کی دنیا ہی بدل دی ہاں وہ بار بار اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ کا ورد کر رہی تھی اور اس آیت میں لذت محسوس کر رہی تھی آج اسے اس آیت کا مفہوم بخوبی سمجھ آ گیا تھا وہ اس آیت کا ورد زبان پر جاری رکھتے ہوئے ندامت کے آنسو بہا رہی تھی وہ نادم تھی اپنے ان گھڑیوں پر جو اس نے رب کی یاد سے غافل ہو کر گذاریں اب وہ رب کا قرب حاصل کرنا چاہ رہی تھی وہ جان چکی تھی کہ ندامت کے آنسو عند اللہ کیوں مقبول ہیں

ندامت کے نون میں گناہوں سے نفرت ہے
ندامت کے دال میں دنیا کا گھر دھوکا ہے
ندامت کے الف میں اللہ کا قرب اور اس کی محبت ہے
ندامت کی میم میں موت کی تیاری کا سامان ہے
ندامت کی تا میں توبہ ہے

وہ اب اپنے موسیقی کے تمام آلات توڑتے ہوئے گانوں سے نفرت کرنے لگی تھی وہ سمجھ گئی تھی کہ دنیا کی زندگی ایک دھوکا ہے اب وہ رب کا قرب حاصل کرنے کی طلب میں تھی اور اپنی آخرت کی تیاری کے لیے مستعد رہنا چاہتی تھی وہ آج رات کے آخری پہر تہجد میں اپنے رب کے حضور سجدہ ریز ہو کر ندامت کے آنسو بہا رہی تھی اسے یقین تھا کہ اس کی توبہ اور اس کے یہ آنسو رب کی بارگاہ میں ضرور قبول ہوں گے اسے اپنے رب کی کریمی پر یقین تھا کیوں کہ اس نے قرآن کے ترجمہ کو اب بغور پڑھا تھا اور اسے رب کی طرف سے تسلی ملی تھی کہ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ میری رحمت سے ناامید مت ہو۔

اس نے قرآن کریم میں جا بجا یہ آیت پائی

اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ

بے شک اللہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے

بے شک میرے رب کی ذات اپنے بندوں پر بڑی مہربان ہے

Classic
Authentic Quality Product

Fresh Every Day.. The Classic Way!

A Healthy start!

Classic Bread is Baked with the goodness of Nature..

کامیابی

تسلیم شیخ

”پتا نہیں کیوں یہ لوگ بچوں کو اتنا کام دے دیتے ہیں.. ایک تو اسکول جائیں اور پھر ٹیوشن اور سپارہ بھی پڑھیں.. سپارہ پڑھنا ضروری تو نہیں“۔ رقیہ نے معیذ کے بیگ میں کتابیں ڈالتے ہوئے کہا۔ وہ غصے میں اپنی تئیں ساس کو سنا رہی تھی لیکن انداز ایسا تھا، جیسے اپنے آپ سے باتیں کر رہی ہو۔

رقیہ کی ساس تسبیح پڑھ رہی تھیں۔ وہ بس بہو کی طرف دیکھتی رہ گئیں... رقیہ نے اپنی ساس کے ماتھے پر تیوری چڑھی دیکھ لی تھی، ساس نے جواب نہیں دیا تھا، رقیہ کو ساس کا جواب نہ دینا ہضم نہیں ہو رہا تھا.. آج کل کی بہوئیں تو جواب بھی چاہتی ہیں تاکہ پلٹ کو ساس کو کچھ سنا بھی سکیں۔ اب اکیلے ہی بولتی چلی جائیں یہ تو اچھا نہیں لگتا نا!...

”اور یہ معیذ صبح اُٹھتا ہی نہیں ماں جی! بھلا میں کیا کروں“.. رقیہ کا لہجہ اب غصے کی بجائے.. بے چارہ ہو گیا تھا...

”مما میں کب نہیں اُٹھتا۔ آپ ہی نہیں اٹھاتیں.. اور نماز کے لیے بھی نہیں اٹھاتیں..“ معیذ نے سیڑھیاں اترتے ہوئے امی کی بات سن لی تھی۔ آج کل کے بچے بھلا چپ کہاں رہتے ہیں جواب دینا لازم سمجھتے ہیں۔ معیذ نے جواب تو دے دیا تھا، اب اس نے اپنے جواب کا رد عمل امی کے ماتھے پر دیکھا، جہاں اب بل پڑے ہوئے تھے۔ اسے لگا امی فوراً ڈانٹیں گی، اس لیے اس نے جلدی جلدی دادی کی گود میں پناہ لے لی۔ ان کے زانو پہ سر رکھ کے لیٹ گیا۔

ہاجرہ بیگم جانتی تھیں، اُن کے بیٹے کا دین کی طرف رجحان ہے.. لیکن وہ اپنی بیوی کا ذہن نہیں بنا سکا تھا، اس لیے رقیہ نماز روزے، اور تلاوت کے ذکر سے الرجک ہی رہتیں، انہوں نے مسکرا کر پوتے کی طرف دیکھا اور اس کا بوسہ لے لیا۔

رقیہ نے چور آنکھوں سے ساس کی طرف دیکھا۔ ان کے چہرے پر مسکراہٹ اسے طنزیہ لگی تھی۔ خود کو نارمل رکھنے کی کوشش کرتے ہوئے بولیں: ”کب اُٹھتے ہو؟ اب دادی کے سامنے سچے بن رہے ہو“۔ بہو بیگم کو نچلا رہنا بھلا کب پسند تھا۔ پھر ساس سے کہنے لگیں: ”اماں میں اسے اٹھاتی ہوں.. یہ اٹھتا نہیں.. پھر سوچتی ہوں چلو دو گھنٹے اور سو لے.. پھر میری بھی آنکھ لگ جاتی ہے۔“ رقیہ اب وضاحت دے رہی تھی۔

”بہو! کیا صرف اسکول اور ٹیوشن ضروری ہے.. نماز اور قرآن ضروری نہیں“.. رقیہ کی ساس ہاجرہ بیگم سے رہا نہ گیا۔ اُنہوں نے حیرت سے بہو سے پوچھا۔

”پر اماں بچوں کے معصوم ذہن پر اتنا بوجھ ڈالنا بھی تو ٹھیک نہیں۔ بھلا اتنا کچھ کیسے یاد کریں گے؟“۔۔ رقیہ نے جواب میں دلیل دی تھی۔

”بہو! یہ جو عمر ہوتی ہے نا!. اس میں بچوں کے ذہن میں جو بات ڈالیں گے.. وہ ازبر ہو جائے گی.. اور اس عمر میں جو عادت بنا دیں، وہی پختہ بھی ہو جائے گی، اگر بچپن سے نماز کی عادت نہ ڈالی جائے تو کبھی عادت نہیں بنے گی، جیسے تمھاری نہیں بن سکی اور اگر اس عمر میں قرآن نہ پڑھا تو پھر پڑھنا مشکل ہو جائے گا“۔ ہاجرہ بیگم نے پیار سے بہو کو سمجھایا اور سانس لے کر پھر بولیں۔

”اور تم آج کل کی مائیں کہتی ہو.. بچہ سو لے، اس کی نیند نہ خراب کریں.. اور جب اسکول بھیجنے کے لیے جگانا ہو تو ایسے اٹھاتی ہو. جیسے پورے گھر کے افراد نے اسکول جانا ہو“ ہاجرہ بیگم نے پہلو بدلتے ہوئے کہا..

معیذ نیچے منہ کر کے سکی سکی کرنے لگ گیا.. وہ جانتا تھا، اس کی امی اسے جگاتے اور اسکول کے لیے تیار کرتے وقت اچھا خاصا شور کرتی ہیں۔

”اماں اسکول جانا بھی تو ضروری ہے نا!. کچھ پڑھیں گے تو ہی کچھ بنیں گے نا! ورنہ کامیاب کیسے ہوں گے“.. رقیہ کون سا ہار ماننے والی تھیں۔

”اور تمہیں لگتا ہے بہو.. کہ دنیاوی تعلیم حاصل کر کے ہی بندہ کامیاب ہوتا ہے.. نماز اور قرآن سے کامیاب نہیں ہوتا“.. ہاجرہ بیگم نے سوال کر کے بہو کی طرف دیکھا۔

”میں نے ایسا کب کہا ماں جی!“۔ اب رقیہ سے کوئی جواب نہیں بن رہا تھا..

”بیٹا اور کیا کہا ہے تم نے؟.. اور ہاں یہ جو دنیاوی ڈگریاں ہوتی ہیں نا.. یہ یہیں رہ جائیں گی .. اگلے جہان میں صرف ہماری پڑھی گئی نمازیں، قرآن کی تلاوت اللہ کا ذکر اور دوسری نیکیاں ہی کام آئیں گی.. یہ ڈگریاں، یہ دنیاوی شہرت یہی رہ جانی ہے۔ اور ہمارے لیے ضروری آخرت سنوارنا ہے.. بچوں کو ابھی سے خرت کی تیاری کرواؤ“.. دادی نے سلجھے ہوئے انداز سے اپنی بات بہو بیگم کو سمجھائی کہ ایسا نہ ہو کہ بہو کا موڈ بگڑ ہی جائے۔

”جی سوری اماں.. آئندہ خیال رکھوں گی“... رقیہ نے ندامت سے سر جھکا لیا..

”شاباش! رکھنا بھی چاہیے“.. ہاجرہ بیگم نے مُسکرا کر کہا۔

محبت کی کرنیں

کائنات غزل

صبح کی ٹھنڈی نرم گھاس پر چلنے کا اپنا ہی مزہ ہے۔ فجر کی نماز کے بعد قہوہ لے کہ بشریٰ پھوپھو کا گھاس پر واک کرنے کا معمول کراچی آکر بھی قائم تھا۔ بس اتنا ہوتا کہ مناف کی نائٹ شفٹ لگنے کے بعد اپنے ساتھ وردہ کو بھی شامل کرنے لگیں۔ فجر کی تسبیحات مکمل کر کے سورج نکلنے تک ادھر ادھر کی ڈھیروں باتیں ہو جاتیں۔

بشریٰ پھپھو وردہ کے پڑوس میں رہتی تھیں۔ شادی سے پہلے بشریٰ آنٹی کی وردہ سے بہت دوستی تھی۔ انھوں نے پیاری سی وردہ کو اپنے خوبرو بھتیجے مناف کے لیے مانگ لیا تھا۔ اکثر ہی ملنے چلی آتی تھیں۔ لیکن اس بار اکبر پھوپھا اسلام آباد گئے ہوئے تھے تو بھائی بھاوج کے بے حد اصرار پر یہاں کچھ دن کا قیام تھا۔

یہاں ٹھہرنے کے بعد انھیں وردہ اور مناف کیا باقی گھر والوں کے درمیان بھی ایک خلا نظر آیا۔ کچھ دن کے جائزے کے بعد وہ بات کہ تہ تک پہنچ چکی تھیں۔

"اور سناؤ وردہ بیٹی! مناف اور سب گھر والوں کا رویہ کیسا ہے تم سے۔؟

سورج کی کرنیں وردہ کے پر نور چہرے کو روشن کر رہی تھیں، لیکن اسے بشریٰ پھپھو کو دیکھنے میں پریشانی ہو رہی تھی۔۔۔ ہاتھ کی اوک ماتھے پر رکھ کہ اس نے وردہ پھپھو کے سوال پہ انھیں دیکھا۔۔۔ جواب تو اسے سمجھ ہی نہ آیا۔ کیوں کہ اس نے کبھی غور ہی نہیں کیا تھا۔ بشریٰ پھپھو کے سوال اور سورج کی چبھتی کرنوں سے پریشان ہو کر وہ بینچ پہ بیٹھ کر سانس بحال کرنے کی کوشش کرنے لگی۔

"پتا نہیں پھپھو۔ میں نے غور ہی نہیں کیا۔ اچھے ہی ہیں سب۔۔ اصل میں میرا اتنا اٹھنا بیٹھنا نہیں ہوا کسی کے ساتھ۔"

وہ انگلیاں مڑوڑتے ہوئے گویا ہوئی۔۔۔

ارے یہ کیا بات ہوئی؟ چار ماہ ہو چکے ماشاءاللہ شادی کو۔ ابھی تک کسی سے دوستی نہیں ہوئی؟ چلو مناف کے بارے میں ہی بتادو۔ وہ کیسا ہے۔ اسے کھانے میں کیا پسند ہے۔ کپڑوں میں۔۔۔

بشریٰ پھپھو نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔ پپ ۔۔پپ۔۔ پتا نہیں پھپھو! وقت ہی نہیں ملا کبھی ان باتوں کا۔۔۔ وہ کمرے میں آکر سو جاتے ہیں، میں اس وقت تسبیحات پڑھ رہی ہوتی ہوں۔۔۔ صبح۔۔۔ بھی۔۔۔ جلدی چلے۔۔۔ جا۔۔۔ تے۔۔۔ ہیں۔۔۔۔" وہ اٹک اٹک کے بول رہی تھی۔۔۔

"یعنی حد ہی ہوگئی۔ تم کیا کر رہی ہوتی ہو جب وہ جاتا ہے تو ناشتا کون دیتا ہے اسے؟" انھوں نے اپنا سر ہی پیٹ لیا۔

"روشی دیتی ہوگی یا پتا نہیں آنٹی، میں نے پوچھا نہیں۔ اور وہ جب روم سے جاتے ہیں۔ میرے چاشت کا وقت ہوتا ہے، میں انہیں اندر ہی سے خدا حافظ کہہ دیتی ہوں اگر۔ نیت نہ بندھی ہو تو

وہ بہت کنفیوز ہو رہی تھی، بشریٰ پھپھو کی باتوں سے۔۔۔

پھپھو میں کھانا اپنے روم میں ہی کھاتی ہوں، روشی دے جاتی ہے۔۔ مناف باہر ہی کھاتے ہیں۔۔۔ اصل میں عاکف بھی باہر ہوتے ہیں تو پردے کی۔ وجہ سے۔۔

لڑکی مجھے تم سے یہ امید ہر گز نہ تھی۔ کیا تمھیں یہ علم نہیں کہ حقوق اللہ کے ساتھ حقوق العباد بھی ادا کرنے ضروری ہیں۔ اور یہ بھی یاد رہے کہ ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب ساری ساری رات تہجد پڑھا کرتے تھے تو اللہ نے سورۃ مزمل میں ان کے لیے آسانی والی بات فرمائی۔

"دیکھو میری بچی نفلی عبادت ضرور کرنی چاہیے، لیکن بندوں کے حقوق کی بھی بہت بڑی اہمیت ہے۔ ابھی کچھ عرصے پہلے کی بات ہے۔ عبد اللہ بھائی کو تو جانتی ہو نا۔ نو دس محرم کے روزے کا ذکر آیا، میں رکھ نہیں سکی تھی۔ کہنے لگے: "آپا ایسی بات ہو مجھے بتادیا ہوتا میں سحری میں اٹھادیتا۔۔۔"

مجھے شرمندگی تو تھی کہ روزہ رکھ نہ سکی تھی۔۔۔ لیکن پھر میں نے انھیں اصل وجہ بتائی کہ تمھارے انکل گھر پر ہوتے ہیں اتوار کے دن۔ تو کام ذرا بڑھ جاتا ہے۔ پھر اب روزے میں کام کرنے کی ہمت نہیں رہی۔ ان کے جواب سے تسلی ہوگئی۔ کہنے لگے "آپا یہ تو اچھی بات ہے۔ آپ نے اپنے گھر والوں اور شوہر کے لیے چاہتے ہوئے بھی نفلی عبادت کی قربانی دی۔۔۔ اجر تو آپ کو مل ہی گیا ہوگا ان شاءاللہ۔۔۔"

بیٹی اللہ کی عبادت کے ساتھ ساتھ اللہ کے بندوں پر بھی توجہ ضروری ہے۔ اللہ اپنے بندوں سے بہت محبت کرتا ہے۔ یسے برداشت کرے گا کہ اس کے بندوں کو اگنور کیا جائے۔ ور شوہر کے تو ویسے ہی بہت حقوق ہیں۔۔۔۔ شوہر سے محبت ہوتی ہے تو اس کی ہر چیز سے محبت ہو جاتی ہے۔۔۔۔ نفل نماز، تسبیحات، تلاوت یہ سب ضرور کرو لیکن شوہر کو بھی وقت دیا کرو، خاص طور پر اس کے جانے آنے، کھانے پینے اور آرام کے اوقات میں خود کو فارغ رکھو، اور رات بھی جلدی کام نمٹا لیا کرو، بن سنور کے اس کے ساتھ وقت گزارو۔ یاد رکھو اس کی خدمت کا ثواب نفل عبادت سے بڑھ کے ملے گا۔ اور جس ماں نے تمھارے شوہر کو پال پوس کر بڑا کیا۔۔۔ اس کی نیک تربیت کی۔۔۔ اس کے پاس بھی بیٹھا کرو۔ یقین کرو بہت سکون پاؤ گی۔"

وردہ بشریٰ پھپھو کی باتوں میں کھوئی ہوئی تھی، ان کے خاموش ہو جانے پر چونک گئی۔۔۔

"پھپھو! آپ نے مجھے سمجھایا اور میں وہ سب سوچ کہ ہی بہت اچھا اور خود کو پر سکون محسوس کر رہی ہوں۔"

اشراق کا وقت ہو گیا تھا بشریٰ پھپھو اس کے ماتھے پر بوسہ دے کھڑی ہوئیں تو وہ بھی ان کے ساتھ اندر کی جانب چل پڑی۔ دروازے کے کھٹکے پر مڑ کے دیکھا تو مناف (نائٹ شفٹ لگا کر آیا تھا اور) چابی سے دروازہ کھولتا اندر داخل ہو رہا تھا۔ وردہ تیز تیز قدموں سے اس کی جانب بڑھی۔ مسکراتے ہوئے سلام کر کے اس کے ہاتھ سے بریف کیس تھاما۔ ایسا کرتے ہوئے اسے بے حد خوشی محسوس ہو رہی تھی۔

مناف تو بس حیران سا ٹکٹکی باندھے اسے دیکھے گیا۔۔ پھر اچانک ہی آسمان کی جانب منہ کر کے گول گول گھومنے لگا۔۔۔

"کیا ہوا" وردہ نے جھجکتے ہوئے سوال کیا۔۔۔

"میں دیکھ رہا ہوں آج سورج کہاں سے طلوع ہوا ہے۔"

وہ ٹھہر کہ مسکراتے ہوئے بولا تو وردہ نے مڑ کے لاونج کے دروازے کی طرف دیکھا اور دروازے کے پاس کھڑی پھپھو کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی "وہاں سے طلوع ہوا"

اور بھاگ کے پھپھو کے سینے سے لگ گئی۔۔۔ اس کی حرکت پر بشریٰ پھپھو اور مناف کے قہقہے لان میں بکھر گئے۔۔۔

سرپرائز

نبیلہ شہزاد

فجر کی نماز کے تھوڑی دیر بعد ہی استاد رمضان کے ڈھابے پر رونق لگ جاتی۔ لوگ نان چنے آلو والے پراٹھے اور موسم سرما میں مولی والے پراٹھے سے بھی لطف اندوز ہوتے۔ اس ڈھابے پر اکثر و بیشتر رش ہی لگا رہتا۔ یہ ڈھابا سڑک کے کنارے واقع تھا۔ ناشتا ہو یا دوپہر، رات کا کھانا۔۔ ہر کھانا لذیذ ہوتا۔ استاد مصنوعی مسالا جات کا استعمال نہیں کرتا تھا۔ پکانے میں صفائی ستھرائی کا بھی خاص خیال رکھتا تھا۔

کھانے والوں کو اس ڈھابے کا کھانا کھا کر بیماری و گرانی محسوس نہ ہوتی۔ کھانے کے دام انتہائی مناسب تھے۔ تیز پتی والی، ڈونگی سے پھینٹ پھینٹ بنائی گئی جھاگ والی چائے ٹرک ڈرائیوروں کا ہجوم لگائے رکھتی۔

ایسے ہی ایک مصروف دن جب استاد اپنے کام کرنے والوں کو پکار پکار کر ہدایات دے رہا تھا۔ کسی کو خالی برتن اٹھانے کا کہہ رہا تھا اور کسی کو میز صاف کرنے کا۔۔۔۔ استاد خود بھی فارغ نہ بیٹھتا تھا۔ چائے بناتے ہوئے بھی اس کی نظر وہاں بیٹھے یا کھڑے ہر گاہک پر ہوتی۔ کسی گاہک کو بھی مزید کوئی چیز درکار ہوتی تو وہ اس کی منشا فوراً سمجھ جاتا اور کسی لڑکے کو وہاں مطلوبہ چیز پہنچانے کے لیے آواز لگا دیتا۔

استاد جب ارد گرد کے نظری جائزے سے فارغ ہو کر تیار شدہ چائے پیالیوں میں ڈالنے لگا تو اچانک ایک سوٹڈ بوٹڈ پولیس افسر اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ استاد کی تو جان ہی نکل گئی اور بے اختیار زبان پر، یا اللہ خیر، کے الفاظ آ گئے۔ لیکن اگلے چند لمحات میں خوف کی جگہ حیرت نے لے لی۔ کیوں کہ پولیس افسر نے زمین پر پاؤں مار کر، سلام کے انداز میں اپنا داہنا ہاتھ ماتھے پر لگا کر سیلوٹ کیا۔ استاد حیرت سے دیکھتا ہی رہ گیا۔

◆◆◆

راشد نے استاد کی طرف 5 روپے کا نوٹ بڑھاتے ہوئے ایک نان طلب کیا۔ کیوں کہ ان دنوں 5 روپے کاغذ کے نوٹ کی صورت میں تھے۔

استاد نے پیسے پکڑ کر ایک نان راشد کی طرف بڑھاتے ہوئے پوچھا۔ "بیٹا! ساتھ چنے نہیں لوگے؟" جواباً راشد نے نفی میں سر ہلایا اور نان لے کر قریب ہی رکھی ایک پلاسٹک کی کرسی پر بیٹھ کر کھانے لگا۔ چائے کی بجائے پانی کے ہی گھونٹ گھونٹ سے خشک نان کو حلق سے نیچے اتارنے لگا۔ استاد کی نظر عقابی تھی فوراً محسوس کر لیا کہ یہ بچہ افلاس کا شکار لگتا ہے۔

سولہ سالہ راشد کا اس ڈھابے پر یہ پہلا ناشتا تھا۔

◆◆◆

راشد ابھی چھٹی کلاس میں تھا جب باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ باقی تینوں بہن بھائی اس سے چھوٹے تھے۔ باپ مزدور بندہ تھا، بچوں کے لیے کوئی سرمایہ نہ چھوڑ سکا اور نہ بچے کسب معاش کے قابل تھے۔ راشد کی والدہ کے پاس سلائی کا ہنر تھا۔ اس نے لوگوں کے کپڑے سینا شروع کر دیے۔ بے شک راشد ابھی بچہ تھا لیکن سمجھ دار اور ماں کا احساس کرنے والا تھا۔ اس نے اپنی والدہ سے کہا کہ وہ گھر کے اخراجات میں اس کا ہاتھ بٹائے گا۔ ماں نے پہلے تو انکار کر دیا اور اسے اپنی توجہ مکمل طور پر پڑھائی پر مرکوز کرنے کا کہا لیکن پھر بیٹے کے اصرار پر مان گئی۔

اب راشد اسکول سے واپس آ کر کپڑے تبدیل کرتا، ظہر کی نماز ادا کرتا۔ کھانا کھا کر فوراً اپنی گلی میں ہی آلو چنے کی چھابڑی لگا کر بیٹھ جاتا، جو اس کی والدہ اس کے آنے سے پہلے ہی تیار کر کے رکھ دیتی۔ عصر کی نماز تک اس کے سارے آلو چنے بک جاتے۔ وہ فارغ ہو کر عصر کی نماز ادا کرتا اور اپنی پڑھائی میں لگ جاتا۔

میٹرک کے امتحان میں اس نے نہ صرف اپنے اسکول میں پہلی پوزیشن حاصل کی بلکہ بورڈ کے ٹاپ نمبروں میں اس کا نام گیارہواں تھا۔ گاؤں شہر سے دور تھا روز کالج آنا جانا اس کے لیے مشکل تھا۔ اس نے شہر میں رہنے کا فیصلہ کیا۔ اچھے کالج میں اسکالرشپ پر داخلہ مل گیا گویا پڑھائی تو مفت ہو گئی لیکن رہائش کا مسئلہ تھا۔ ہاسٹل میں رہنا اس کی پہنچ میں نہیں تھا۔ اس کے گاؤں کے دو اور لڑکے بھی ادھر شہر میں پڑھنے آئے تھے انہوں نے کچھ لڑکوں کے ساتھ مل کر ایک بڑا سا کمرہ کرایے پر لے رکھا تھا۔ شروع میں وہ چند دن ان کے ساتھ رہا لیکن جب استاد کو اس کی صورت حال کا علم ہوا تو اس نے راشد کو ڈھابے کے پیچھے بنا ایک کمرہ جو استاد نے سامان وغیرہ رکھنے کے لیے بنایا ہوا تھا، وہاں ایک چارپائی ڈال دی اور اس کے سامان کے لیے چھوٹی سی الماری دے دی۔ رہائش کے ساتھ استاد نے تین وقت کا کھانا بھی دے دیا، لیکن راشد کی غیرت نے اس مفت خوری کو پسند نہ کیا اور اس کے عوض ڈھابے پر کام کرنے کا کہا۔

استاد خود تو ان پڑھ تھا مگر راشد کے پڑھنے کے جذبے و شوق نے اسے بڑا متاثر کیا۔ وہ چاہتا تھا کہ راشد کام کرنے سے بے فکر ہو کر پڑھے۔ دوسری طرف راشد استاد پر بوجھ نہیں بننا چاہتا تھا۔ کام کرنے کا، اس کا اصرار اتنا بڑھا کہ استاد کو اس کی بات ماننا پڑی۔

اب راشد پڑھائی کے ساتھ ساتھ روزانہ دو گھنٹے ڈھابے پر کام بھی کرتا۔ وہ ہر کام چاق چوبند ہو کر کرتا۔ استاد کی غیر موجودگی میں ڈھابے کا خوب خیال رکھتا۔ استاد کا دل اس سے بہت خوش تھا اور اسے اپنے بیٹوں کی طرح چاہتا تھا۔

اس نے استاد کو اپنی سچائی و ایمان داری سے بھی متاثر کیا۔ بی، ایس، سی کے بعد ایک طرف تو اس نے ایم۔ ایس۔ سی میں داخلہ لیا اور دوسری طرف سی ایس ایس کی تیاری شروع کر دی۔ ایک دن استاد راشد سے اس کی پڑھائی کے متعلق حال احوال دریافت کر رہا تھا۔ دوران گفتگو راشد نے استاد سے پوچھا۔

"استاد جی! آپ میرے بارے میں کیا چاہتے ہیں کہ میں کیا بنوں؟"

راشد کا سوال سن کر خوشی سے استاد کی آنکھیں پھیل گئیں۔ لبوں پر مسکراہٹ آ گئی اور ایک جذب کے عالم میں کہنے لگا۔

"بیٹا! میں چاہتا ہوں کہ تم ایک ایسے شہزادے بنو جس سے تمہارے دین و ملت کو خوب نفع پہنچے۔"

راشد مسکرا کر رہ گیا کیوں کہ وہ تو خود اسی جذبے کے تحت دن رات مشقت میں تھا۔

راشد نے سی ایس ایس کا امتحان، انٹرویو اور دیگر مراحل امتیازی حیثیت سے پاس کیے لیکن اس نے استاد کو کچھ نہ بتایا اور ٹریننگ کے لیے چلا گیا کیوں کہ وہ اپنے مشفق و محسن باپ نما استاد کو سرپرائز دینا چاہتا تھا۔

آج راشد پولیس افسر ایس پی رینک کی وردی میں ملبوس تھا اور استاد کو سیلوٹ کر رہا تھا۔ اس سرپرائز کو پہچانتے ہی استاد نے راشد کو خوشی سے اپنے بازوؤں میں دبوچ لیا اور راشد بھی خوشی اور تشکر کے احساس میں اپنے محسن کے بازوؤں میں لوٹ پوٹ ہو رہا تھا۔

جُنید امِین

Your Trusted Friend in Real Estate

Sale - Purchase - Rent

22-C, Khyaban e Jami near Baitussalam Masjid Phase IV, D. H. A. Karachi
02135313254 , 02135313319 , 03009213373 Email: junaidameen@live.com

بہار کے رنگ

محمد فیصل علی

یہ بہار کا موسم تھا' اس باغ میں رنگ برنگے پھول اپنی بہار دکھا رہے تھے۔ ان میں ایک پھول سب سے خوب صورت نظر آ رہا تھا' جب وہ اپنی شاخ پر جھومتے ہوئے دوسرے پھولوں کو دیکھتا تو اس کا دل خوشی سے باغ باغ ہو جاتا۔ اسے اپنے تمام دوستوں کی خوشیاں عزیز تھیں' یہ پھول اس باغ کا سب سے معمر پھول تھا' اس کا نام "گلاب میاں" تھا۔

گلاب میاں زندگی کے نشیب و فراز سے گزر چکے تھے۔ وہ دھوپ اور چھاؤں دیکھ چکے تھے۔ اس لیے انھیں باغ کی ہریالی و خوش حالی کا احساس تھا۔ وہ اس نعمت کی اہمیت اور قدر و قیمت جانتے تھے۔ صبح کا وقت تھا۔ اس وقت صبح کی تازہ ہوا چل رہی تھی اور سبھی پھول شبنم سے باوضو ہو کر ذکر خدا میں مصروف تھے' ایسے میں ایک شور سا سنائی دیا' سب نے آواز کی سمت میں گردنیں موڑیں تو دیکھا کہ دو پھول باہم دست و گریباں ہیں اور دست درازی کے ساتھ ساتھ زبانی کلامی بھی جنگ ہو رہی ہے' سبھی ان کی طرف متوجہ ہوئے۔ گلاب میاں بھی آگے کو جھک کر ان کی باتیں سننے کی کوشش کرنے لگے۔ یہ پھول "گل لالہ" اور "چنبیلی" تھے اور ان کے درمیان یوں بات چیت ہو رہی تھی: "چنبیلی: اس باغ کی رونق اور خوشبو میرے دم سے ہے۔"

"گل لالہ: اوہو! گھمنڈی نہ بنو' میں بھی تم سے کم نہیں ہوں۔ میرے جیسا رنگ روپ ہے تو سامنے لاؤ' ذرا میرا حسن تو دیکھو۔ تمہاری تو نہ شکل ہے اور نہ عقل۔"

"چنبیلی: ہونہہ! تمہاری رونق؟ کبھی آئینہ نہیں دیکھا تم نے دل جلے!!! تم سے زیادہ رونق تو کاغذی پھولوں کی ہوتی ہے بچو!!!' مگر ان میں خوشبو نہیں ہوتی' لہٰذا انھیں کوئی منہ بھی نہیں لگاتا' سمجھے!!!"

"گل لالہ: درست کہا' لیکن جب سے تم حسد کی آگ میں پڑی ہو' تمہاری رہی سہی خوشبو بھی مٹی میں مل گئی ہے' یقین نہ آئے تو کسی اور سے پوچھ لو۔"

"چنبیلی: مجھے کیوں حسد ہو گا اور وہ بھی تم جیسے دل جلے سے۔' ہونہہ۔"

"گل لالہ: وہ تو تمہاری باتوں سے بھی لگ رہا ہے'۔ رنگ سفید ہے مگر دل کی کالی ہو۔"

"چنبیلی: اور تمہارا دل تو پہلے ہی سے کالا ہے' بڑا آیا مجھ سے لڑنے والا۔"

سبھی پھول اپنے دوستوں کی باتیں سن رہے تھے' ان میں چہ میگوئیاں شروع ہو گئی تھیں۔ کچھ چنبیلی کے حق میں تھے جبکہ کچھ گل لالہ کی حمایت کرنے لگے۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے ان کے دو گروہ بن گئے۔ اور شور شروع ہو گیا۔ دونوں گروہ اپنے اپنے دوست کے حق میں بڑھ چڑھ کر بول رہے تھے۔ یہ پہلی بار ہوا تھا کہ اس باغ میں "نااتفاقی" کا پودا پنپنے کی کوشش کر رہا تھا۔ گلاب میاں یہ سارا ماجرا دیکھ رہے تھے۔ انھوں نے محسوس کیا کہ چنبیلی اور گل لالہ کی یہ لڑائی جلد ہی دونوں کے حامیوں میں بھی پھیل جائے گی' لہٰذا انھوں نے مداخلت مناسب سمجھی اور بولے:

"دوستو!! آپ سبھی جانتے ہیں کہ یہ باغ امن و آشتی کا گہوارا سمجھا جاتا ہے'۔ لہٰذا یہاں بدامنی کا بیج نہ بوئیں۔' سنو!! ہم سب برابر ہیں۔' کیوں کہ ہم سب ایک ہی زمین سے اُگے ہیں.... کوئی کسی دوسرے پہ برتری نہیں رکھتا۔' برتری کا معیار ہمارے اخلاق ہیں کہ ہم سب کیسے زندگی بسر کرتے ہیں'۔ کیسے بولتے ہیں'۔ کیا سوچتے ہیں اور ہمارے کیا عزائم ہیں۔۔ چنبیلی اور گل لالہ دونوں کی باتیں درست نہیں'۔ یہ باتیں اشارہ کر رہی ہیں کہ ہمارے باغ میں حسد کا جان لیوا وائرس آ چکا ہے'۔ اس وائرس کی ویکسینیشن "محبت" ہے' لہٰذا ہمیں آپس میں محبت سے رہنا چاہیے' ورنہ یہ وائرس باغ کی ہریالی و خوش حالی کو تباہ کر کے رکھ دے گا۔۔ ایسا ہی وائرس ایک بار پہلے "راحت پور" میں بھی آیا تھا۔' پتا ہے کیا ہوا تھا وہاں؟؟" "گلاب میاں نے اپنے دوستوں سے دریافت کیا۔ "کیا ہوا تھا گلاب میاں؟؟" کئی آوازیں ابھریں۔

گلاب میاں نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور بولے: "پیارے دوستو!!! "راحت پور" کا علاقہ بہت خوش حال اور زرخیز تھا۔' وہاں کے باسی امن و سکون سے رہ رہے تھے' وہاں ہر چیز وافر مقدار میں موجود تھی' کسی بھی چیز کی کمی نہیں تھی۔ لوگ بہت خوش تھے' ان کا بادشاہ بھی بہت نرم دل تھا۔۔ وہ اپنی رعایا کو بالکل بھی پریشان نہ کرتا تھا'۔ اچانک ایک روز ان کے دلوں میں حسد کا وائرس آ گیا۔ حسد کا وائرس اپنے ساتھ نااتفاقی اور عداوت کو بھی لایا تھا' بس پھر کیا تھا ہنستا بستا ملک ویران دکھائی دینے لگا۔۔ لوگ ایک دوسرے سے حسد کرنے لگے۔ ایک دوسرے کی کامیابیوں سے جلنے لگے'۔ انھوں نے نااتفاقی کو گلے لگایا اور یوں ان کے درمیان دشمنیاں بھی پیدا ہو گئیں۔۔ صاف شفاف دل کینے اور بغض سے میلے ہو گئے اور وہ سب آپس میں لڑنے لگے اور پھر چند روز بعد ہی ملک تباہ و برباد ہو گیا۔۔ اب ہمیں بھی چاہیے کہ اپنے اس باغ کی حفاظت اور بھلائی کی خاطر باہمی اتحاد و اتفاق سے رہیں۔' تاکہ یہ وائرس اپنی موت آپ مر جائے اور ہمارا یہ باغ سدا بہار ابھرا رہے۔"

گلاب میاں یہاں تک کہہ کر خاموش ہو گئے۔ انھوں نے دیکھا سبھی پھول توجہ سے ان کی باتیں سن رہے تھے۔' ایسے میں چنبیلی کی آواز ابھری:

"گلاب میاں' آپ کی باتیں درست ہیں اور واقعی ہمیں اتحاد سے رہنا چاہیے مگر....."

چنبیلی کہتے کہتے رک گئی۔ "مگر کیا۔۔؟؟" گلاب میاں کی آنکھوں میں الجھن تیرنے لگی۔

"مگر یہ کہ میرے دوستوں کو چاہیے کہ وہ میری عزت کریں کیوں کہ میں سب سے اہم اور قیمتی ہوں۔" چنبیلی کی بات سن کر بہت سارے پھولوں کے منہ بن گئے۔

گلاب میاں دھیرے سے مسکرائے اور بولے: "چنبیلی صاحبہ!! دوسروں کو تسلیم کرو گی تو دوسرے خود بخود تمہیں تسلیم کریں گے۔۔ ہم میں سے ہر ایک فرد قیمتی ہے۔ ہر ایک کا اپنا مقام اور اہمیت ہے۔۔ خود کو بہتر اور دوسروں کو کم تر سمجھنا "غلط" سوچ ہے' لہٰذا ہمیں یہ زیب نہیں دیتا کہ ہم اپنے آپ پر غرور کریں۔

گلاب میاں کی باتیں سب کے دلوں کو بھا گئیں۔۔ محبت بھری باتوں سے حسد اور نااتفاقی کا وائرس دم توڑ گیا۔ اور سبھی پھول بھرپور انداز میں مسکرا اٹھے۔۔ عین اسی وقت باغ کا مالک باغ میں داخل ہوا۔۔۔ اسے باغ پہلے سے زیادہ ہرا بھرا اور حسین لگا۔۔ خوشبو کی دل فریب مہکار نے اس کے دل و دماغ کو معطر کر دیا۔۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ یہ خوشبو محض پھولوں کی نہیں بلکہ اتفاق و اتحاد کی بھی ہے۔۔ چنبیلی اور گل لالہ گلے مل رہے تھے۔ اور ان کے سارے گلے دور ہو رہے تھے۔۔ اب صحیح معنوں میں بہار رنگ نظر آ رہے تھے۔

آئسکریم شیدائی

ام حفصہ عمران

آکھ آکھ ، آچھو آچھو ، آکھ آکھ

امی: کہا بھی تھا' منع بھی کیا تھا۔اس کے باوجود تم نہ مانیں' مجال ہے جو میری ایک بات بھی سنو۔ تمھارے ابو نے ہی تمیں سر پر چڑھایا ہے' اب بھگتو۔آکھ آکھ آچھو آچھو۔

آپی: امی اب غصہ نہ کریں بچی ہے اور نا سمجھ بھی۔

امی: نا سمجھ؟ خیر سے آٹھویں جماعت میں آگئی ہے حرکتیں وہی دوسری جماعت کی بچیوں والی ہیں۔

آپی: یہ ہے زنیرہ الیاس' ہم سب کی پیاری' شرارتی اور نٹ کھٹ سی بہنا۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر خوش ہونے والی' بات بے بات روٹھ جانے والی اور اپنی حماقتوں سے گھر سر پر اٹھانے والی۔

بڑی میں آپی (عائشہ) ہوں پھر دو بھائی اور پھر زنیرہ۔ جس کے بارے میں امی کہتی ہیں کہ میں اپنے پہلے تین بچوں کی پرورش میں نہیں تھکی لیکن زنیرہ کے بعد تو میں تھکن سے چور ہو چکی ہوں کیوں کہ زنیرہ کو جس چیز سے روکا جائے وہ کرنا اس کے لیے ضروری ہے۔

زنیرہ: ابو آپ کل میرے لیے آئسکریم لائیں گے نا۔آج تو مزہ نہیں آیا' ذائقہ ہی نہیں تھا اس فلیور میں۔

امی: نہیں روز روز نہیں کھاتے۔

زنیرہ: ابو تو پھر آپ کل لا رہے ہیں نہ میرے لیے آئسکریم وہ بھی کٹ کیٹ فلیور والی۔امی کے دستر خوان سے کھڑے ہوتے ہی وہ بولی۔

ابو نے امی سے نظریں بچا کر فوراً ہامی بھر لی۔

زنیرہ: ابو آگئے' ابو آگئے۔ کہاں ہے میری آئسکریم؟

ابو: یہ لو میری زونو' میں کیسے بھول سکتا ہوں اپنی لاڈلی کی فرمائش۔

امی: نہ سلام' نہ دعا۔آتے ہی یہ لائے وہ لائے پتا بھی ہے صبح کے نکلے رات گئے تھکے ہارے لوٹے ہیں۔پر مجال ہے ایک گلاس پانی کا ہی پوچھ لے۔

ابو: کیوں بلاوجہ میری زونو کو غصہ کرتی ہو اس کو دیکھ کر تو میری ساری تھکن اتر جاتی ہے۔آؤ زنیرہ میں تمہیں اپنے ہاتھ سے آئسکریم کھلاتا ہوں۔ابو نے زنیرہ کا روتا چہرہ دیکھ کر کہا۔

امی غصے سے لال ہوتے ہوئی بولیں اس لڑکی نے تو میری ناک میں دم کر رکھا ہے۔مسلسل تین دن سے آئسکریم کھائی جا رہی ہے پرسوں اپنا رزلٹ آنے کی خوشی میں' کل آپی کا رشتہ طے ہونے پر اور آج تو محترمہ کی کہانی جو رسالہ میں چھپی ہے پھولے نہیں سما رہیں۔آئسکریم کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتی۔ موسم تبدیل ہو چکا ہے' ٹھنڈی ہوائیں چل رہی ہیں بیمار پڑ گئی تو بستر سے نہیں اٹھے گی۔ منتیں کر کر دوائیں پلانی پڑیں اور جو صحت یاب ہو گئی تو پھر وہی روٹین۔

ابو: اچھا اچھا بس اللہ نہ کرے کہ میری بیٹی بیمار ہو یہ تو بہت بہادر ہے ابو امی کی بات کاٹتے ہوئے بولے۔

آپی: اور پھر وہی ہوا جس کا امی کو خدشہ تھا ساری رات زنیرہ کھانستی اور چھینکتی رہی صبح جب امی زنیرہ کو اسکول کے لیے اٹھانے گئیں تو وہ بخار میں تپ رہی تھی' ہاتھ پاؤں ٹھنڈ سے کانپ رہے تھے اور تو اور گلے سے آواز بھی نہیں نکل رہی تھی۔

شکر گزار مانی

تنزیلہ احمد

کھانے کی میز پر سلیقے سے برتن جما کر امی نے اسے آواز دی "مانی بیٹا آجاؤ کھانا لگ گیا ہے۔۔"

"آیا امی!" اس نے کمرے سے ہی ہانک لگائی۔ کچھ دیر پہلے ہی وہ اسکول سے لوٹا تھا اور امی کا خیال تھا کہ وہ یونی فارم تبدیل کر کے منہ ہاتھ دھو چکا ہو گا مگر یہ کیا۔۔۔ وہ تو کپڑے تبدیل کیے بغیر چھلانگیں لگاتا ہوا بھاگا آرہا تھا۔ سلاد کی پلیٹ کی طرف بڑھا اس کا بایاں ہاتھ انھوں نے راستے میں ہی تھام لیا۔۔ دھول سے اٹی سفید شرٹ کے کف کا ٹوٹا بٹن اور ہاتھ پر نیلی روشنائی کے دھبے انھیں کوفت میں مبتلا کر گئے۔

"اونہہ ہوں! الٹے ہاتھ سے نہیں کھاتے۔۔ ہاتھ دھوئے بنا کھانے کے لیے نہیں آتے اور ابھی تک یونی فارم کیوں نہیں تبدیل نہیں کیا؟"

"افففف امی! مجھے بہت بھوک لگی ہے۔ پہلے کھانا تو کھالوں۔ کھانے کے بعد بھی کپڑے تبدیل کیے جاسکتے ہیں۔"

"مگر کم از کم ہاتھ تو دھو کر آتے۔ کھانے سے پہلے ہاتھ دھونا سنت ہے۔ جراثیم سے بھرے ہاتھوں سے کھانا کھاؤ گے کیا! سمجھا سمجھا کر تھک چکی ہوں مگر تم پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔" وہ افسوس سے کہہ رہی تھیں۔

"کچھ نہیں ہوتا میں چمچ سے کھانا کھا لوں گا۔۔" لاپروائی سے کہہ کر وہ کرسی پر بیٹھ گیا اور سالن کے ڈونگے کا ڈھکن اٹھانے کے لیے ہاتھ بڑھا دیا۔

وہ پوچھنا تو چاہتی تھیں کہ "بھلا چمچ سے روٹی کیسے کھائی جاسکتی تھی؟" مگر کہنے سننے کا فائدہ نہ تھا۔ مانی کو ہر چیز میں اپنی من مانی کرنے کی عادت پڑتی جارہی تھی اور اس کی یہ عادت ان پر بہت گراں گزرتی تھی۔

"امی! آج پھر آپ نے سبزی بنالی" خوشنما رنگوں سے مزین خوشبودار سبزی کے ڈونگے کو دیکھ کر اس نے ناک منہ چڑھاتے ہوئے تیز آواز میں کہا۔

"کیوں اب اس سے کیا مسئلہ ہے؟ کل مچھلی بنی تھی تو بھی مسئلہ تھا، چکن چاہیے تھی روز روز کے تماشے اچھی بات نہیں۔۔!"

"مگر سبزی۔۔۔۔!" منہ بگاڑتے ہوئے وہ بس اتنا ہی بولا تھا۔

"ہر موسم کی سبزی کے بے انتہا فوائد ہوتے ہیں۔ گاجر میں وٹامن اے ہوتا ہے۔ آنکھوں اور جلد کے لیے بہترین ہے اور آلو تمھیں ویسے ہی پسند ہیں۔ پیچھے رہ گئے مٹر تو وہ وٹامن ای اور سی سمیت او میگا تھری فیٹی ایسڈ کا خزانہ ہیں۔ اب بتاؤ ان میں سے کون سی چیز بری ہے؟"

"بری نہیں مگر مجھے میں سالن میں میٹھی میٹھی سی گاجریں پسند نہیں ہیں۔"

اپنے غصے کو دباتے ہوئے انھوں نے مانی کی پلیٹ میں سالن ڈالا اور پلیٹ اس کی طرف سرکاتے ہوئے سرزنش کے انداز میں کہا "ناشکری کرنے کی ضرورت نہیں۔ اللہ کی ہر نعمت پر شکر ادا کرتے ہیں۔ نخرے نہ کرو اور بسم اللہ پڑھ کے کھانا شروع کرو۔"

"مجھے نہیں کھانی سبزی۔ آپ مجھے ابھی انڈا فرائی کر کے دیں اور مجھے نوڈلز بھی بنا دیں۔۔" کھانے کی پلیٹ پرے دھکیلتے ہوئے اس نے کہا۔

"سبزی کھانی ہے تو ٹھیک ورنہ اور کچھ بھی نہیں ملے گا۔ کبھی دودھ نہیں پینا، کبھی سبزی نہیں کھانی کبھی گوشت سے مسئلہ ہے۔ تنگ آچکی ہوں میں اس ناشکری سے۔ تینوں وقت اچھا کھانے کو ملتا ہے یہ ہی شکر ادا کرنے کے لیے کافی ہے۔۔۔"

امی کے صاف جواب پر مانی پیر پٹختا ہوا وہاں سے چلا گیا تھا۔ اپنی ماں سے اسے یہ امید نہیں تھی۔ افسوس تو انھیں بھی تھا کہ اپنے لاڈلے کو یوں خالی پیٹ ہی کھانے کی میز سے اٹھ کر جانے دیا۔ انڈا تل کے دینا کوئی مشکل نہ تھا اور نوڈلز بنانے میں تو چند منٹ ہی لگتے مگر یوں ایک کھانے کی چیز کی ناشکری کر کے دوسری کو فوقیت دینے کی اس کی عادت پختہ ہو جاتی۔

وہ جو کر رہی تھیں اسے سبق سکھانے کے لیے کر رہی تھیں اور یہ ہی اس کے حق میں بہتر تھا۔ شام تک مانی گھر میں منہ پھلائے پھرتا رہا۔ مگر انھوں نے اس کی ناراضی کی ذرہ برابر پروا نہیں کی تھی۔

شام کے کھانے تک بھوک سے مانی کا برا حال ہو چکا تھا۔ اور امی نے ابھی تک اسے کھانے کا بھی نہیں پوچھا تھا۔ امی صوفے پر بیٹھی کتاب کا مطالعہ کر رہی تھیں وہ بھی خاموشی سے ان کے پاس آکر بیٹھ گیا۔

ان کے متوجہ نہ ہونے پہ وہ خود ہی بول اٹھا "امی میرے پیٹ میں بھوک سے چوہے دوڑ رہے ہیں۔۔۔"

"تو میں کیا کروں؟" کتاب سے نظریں اٹھائے بغیر انھوں نے پوچھا تو مانی کو جھٹکا لگا۔ ان کے گھر میں رزق کی فراوانی تھی اور امی ہمیشہ کھانے کی پلیٹ لیے اس کے پیچھے پیچھے پھرا کرتی تھیں تاکہ وہ پیٹ بھر کھا سکے۔

"مجھے کچھ کھانے کو دے دیں پلیز۔۔"

"کھانے میں وہی سبزی ہے، جسے دوپہر میں تم نے کھانے سے انکار کر دیا تھا۔"

"پہلے بھی تو آپ میری پسند کی چیز بنا کر دیتی تھیں پھر اب کیوں نہیں؟" مانی نے نروٹھے پن سے کہا تو وہ کتاب بند کر کے اس کی طرف متوجہ ہوئیں اور اس کے چھوٹے چھوٹے ہاتھوں کو اپنی نرم ہتھیلیوں میں چھپا کے بولیں "کیا تمھیں معلوم ہے کہ پیارے اللہ نے ہمیں بے شمار نعمتوں سے نوازا ہے؟"

"مجھے پتا ہے۔۔۔!"

"مگر شاید یہ نہیں پتا کہ دنیا کے بے شمار انسان اور بالخصوص بچے ان نعمتوں سے محروم ہیں جو آپ تمھارے پاس ہیں۔۔۔"

"ہاں تو ہمیں اللہ نے دیا ہے نا۔۔!" مانی سے سر اکڑاتے ہوئے کہا۔

"یہ اکڑنے کی بات نہیں شکر گزاری کا مقام ہے۔ دینے والی ذات لے بھی سکتی ہے۔ ناشکری

ضرب المثل کہانی

عقل بڑی... کہ

ڈاکٹر الماس روحی

وہ ایک گھنا جنگل تھا۔ اس کے پاس ہی ایک خوبصورت تالاب تھا۔ جنگل کے سارے جانور خوشی خوشی تالاب سے پانی پیتے اور نہاتے دھوتے۔ یہاں ایک بھالو آتا تھا جو بہت موٹا تازہ تھا اور وہ شوق سے کچالو کھاتا تھا۔ سب جانور اسے "آلو کچالو" کہتے تھے بس چوہے اُسے "ماموں، ماموں" کہتے نہ تھکتے تھے۔ خالہ بلی کو وہ اپنا خالو لگتا تھا۔ اسے نہانا اچھا لگتا تھا۔ وہ پانی میں جب ڈبکی لگاتا تو اسے بڑا مزہ آتا تھا۔ اسی جنگل میں ایک چھوٹا سا ہاتھی تھا۔ وہ سب کی آنکھوں کا تارا تھا۔ "ببلو" اس کا پیارا سا نام تھا۔ اس کی ماں ہتھنی اسے عقل کا کچا کہتی تھی۔ اسے اس کی بڑی فکر رہتی تھی، تالاب میں کھڑا کر کے اپنی سونڈ میں پانی بھر کر نہلاتی۔ وہ چھپ چھپ پانی میں پاؤں مارتا۔ ایسا کرنے سے اسے بڑا لطف آتا تھا۔ وہ کبھی خوشی سے پونچھ ہلاتا، کبھی اپنی سونڈ ہوا میں گھماتا۔ بی بطخ کے تالاب میں تیرتے بچوں پر رعب جماتا۔ ابھی چھوٹا تھا اس لیے شیر سے گھبراتا تھا۔ اپنی آنکھیں مٹکا کر باہر نکالتا۔ اس کے دادا کی شیر سے دوستی تھی ایک دن انہوں نے اسے شیر کے پاس پہنچا دیا تھا۔ ننھے ہاتھی کے کرتب دیکھ کر شیر بہت خوش ہوا۔

اسی تالاب میں سفید بطخوں کا ڈیرا تھا۔ جو صبح شام قیں قیں، قیں، قیں کر کے اللہ کا شکر ادا کرتیں جس نے تالاب جیسی نعمت دی تھی۔ اسی تالاب کے کنارے ایک مینڈک بیٹھتا تھا اور دن رات اُداس رہتا اور کڑھتا رہتا تھا۔ ننھے ہاتھی نے اس سے پوچھا۔ تم اتنا اداس کیوں رہتے ہو؟ بھالو بولا یہ مینڈک ہے اسے اپنی شکل اچھی نہیں لگتی۔ ننھے ہاتھی نے حیرت سے مینڈک کو دیکھا۔ "ہاں نہ میری شکل اچھی ہے نہ عقل، سب کہتے ہیں میں عقل کا کچا ہوں، میری آواز بھی بری ہے۔ لمبی لمبی میری ٹانگیں ہیں اور گول گول سرخ سرخ میری آنکھیں ہیں۔" اس نے آنکھیں باہر نکال کر کہا۔ بھالو اور ننھا ہاتھی ہنسنے لگے۔ تم ہنس رہے ہو کیا میں جوکر ہوں، دیکھو میری زبان کتنی دراز ہے۔ اس نے منہ سے زبان باہر نکالی اور پھر آنکھیں پھاڑلیں اور باہر نکلتے ہوئے بھالو کی طرف دیکھا۔ "خالو بھالو دیکھو! میری آنکھیں ہیں ناں گول گول۔"

اتنے میں تالاب سے ایک بڑی مچھلی نکلی اور بولی۔ "مینڈک بھیا زبان کا سب سے بڑا حق ہے اللہ اللہ کرنا، جب تم ٹر ٹر ٹر کرتے ہو تو اللہ کا شکر ادا کرتے ہو۔ رہی آنکھیں تو آنکھیں تو میری بھی چھوٹی سی ہیں مگر میں تو اللہ کی بنائی ہوئی چیزیں ان آنکھوں سے دیکھ سکتی ہوں شکر ادا کرتی ہوں میں کہہ سکتی ہوں کہ میرے ہاتھ ہیں نہ پاؤں میں تو لمبی لمبی سی ہوں۔ تیرتی ہی رہتی ہوں۔ سردی میں تیل میں تلی جاتی ہوں روز جیتی اور روز مرتی ہوں۔ کوئی چھوئے ڈرتی ہوں پانی سے نکلتی ہوں تو مرتی ہوں۔ میں کتنی عجیب سی ہوں لیکن ایسا نہیں سوچتی، میں دن رات اللہ سے شکر ادا کرتی ہوں جس نے مجھے تیرنا سکھایا، ٹھنڈا میٹھا پانی کو میرا جیون بنایا اور مجھے جل رانی بنایا۔

بطخ بولی "ہاں بھیا! مینڈک کی عقل سے سوچو بڑے ایسے موقع پر کہتے ہیں عقل بڑی کہ بھینس اتنے میں تیز ہوا چلی۔ طوفانی بارش کا امکان نظر آیا۔ بھالو اور ننھا ہاتھی اپنے گھر کی طرف چل دیے طوفان سے ڈر کر مینڈک نے تالاب میں چھلانگ لگا دی۔ مچھلی بولی دیکھا اپنی لمبی لمبی ٹانگوں کا کمال مینڈک مسکرانے لگا۔ اب سمجھ میں آیا عقل بڑی کہ بھینس۔ عقل مند مچھلی کی باتیں اسے اچھی لگیں اب وہ ہر بات پر اللہ کا شکر ادا کرتا ہے۔ لمبی زبان، سرخ گول آنکھیں اپنی ٹر ٹر ٹر کرتی ہوئی آواز اب اسے اچھی لگنے لگی ہیں۔

مشکل الفاظ

جل۔تالاب	جیون۔زندگی	دراز۔لمبی
کرتب۔تماشہ	لطف۔مزہ	

الامثال

عقل بڑی کہ بھینس — سمجھ اور تمیز اچھی چیز ہے۔

اللہ کو بالکل پسند نہیں۔۔۔!"

"اوہو امی! مگر ہر کسی کو ہر چیز پسند نہیں ہو سکتی اور نہ ہی ہم ہر چیز کھا سکتے ہیں۔۔۔"

"ہم ہر حلال چیز کھا سکتے ہیں۔ ٹھیک ہے کھانے میں ہر کسی کی پسند ہوتی ہے۔ آپ کو کوئی چیز زیادہ پسند ہو سکتی ہے کوئی کم مگر اللہ پاک کی نعمتوں کی بے قدری کسی صورت نہیں کرنی چاہیے۔ آج تم جن چیزوں کو ناپسند کر کے دھتکارتے ہو دنیا میں لاکھوں کروڑوں لوگ ان سب کے لیے ترس رہے ہیں۔ دنیا میں بھوک اور پیاس سے ہر سال ہزاروں بچے مرتے ہیں۔"

مانی کے چہرے پر سوچ کی پرچھائیں دیکھ وہ اسے سمجھا رہی تھیں۔ کافی دیر خاموش رہنے کے بعد اس نے امی سے کہا "آئندہ میں آپ کو تنگ نہیں کیا کروں گا مگر آپ بھی مجھ سے ایک وعدہ کریں۔۔۔"

"کیسا وعدہ؟"

"یہ ہی کہ آپ مجھے میری پسند کے کھانے بنا کر دیا کریں گی۔۔ اور میں بھی وعدہ کرتا ہوں کہ آپ روزانہ جو بھی بنائیں گی وہ میں منہ بنائے بغیر کھایا کروں گا۔۔"

"شکر ادا کر کے۔۔۔" امی نے تصحیح کی۔

"جی جی ایسا ہی! اب آپ پلیز کھانا لگا دیں مجھ سے بھوک برداشت نہیں ہو رہی۔۔" انھوں نے اسے یاددہانی کرائی "وہی سبزی ہے کھانے میں۔۔۔!"

"وہی کھاؤں گا اللہ کا شکر ادا کر کے۔۔ میں اب ہاتھ دھو کر آتا ہوں۔۔" یہ کہہ کے مانی واش روم کی طرف بھاگا اور وہ اللہ پاک کا شکر ادا کرنے کا احساس بیٹے میں جگا کے مسکراتی ہوئیں کچن کی طرف بڑھ گئی تھیں۔۔۔۔!

PERVAIZ UMAR
ENTERPRISE

Highly Experienced Clearing & Forwarding Agents
Advisors and Attorneys in Customs Cases

We are a leading CLEARING, FORWARDING concern operating in Pakistan. We excel to the entire satisfaction of our long list of clientele who have always reposted their complete confidence on us. Imbued with this sense of achievement, we are proud of our countrywide clientele of repute. We are approved and enlisted Clearing and Forwarding Agents of all Commercial and National Banks in Pakistan.

We have vast experience of handling more than 65% imports of Heavy Plants, Machinery and Turn-Key Projects of "Textile, Sugar, Cement and Power Sectors" besides other industrial raw material and commercial consignments, which have enabled us to adopt and handle all sorts of imports and have become our permanent business associates.

Head Office, Karachi
1st Floor, Commerce Centre, Hasrat Mohani Road
TEL: 021-32630724 - 32633641 FAX: 021-32633646
EMAIL: pervaizumar@hotmail.com
headoffice@pervaizumarenterprise.com

Branch Office, Lahore
19-G, Gulberg II, Lahore.
Tel: 042-35764929 - 35764933
Fax: 042-35764934

شتر مرغ

فوزیہ خلیل

آج ماموں جان آئے ہوئے تھے۔ مصعب، خزیمہ، عکاشہ اُن کو گھیرے بیٹھے تھے۔ ماموں جان بچوں میں بہت مقبول تھے۔ وہ بچوں کی ہر بات غور سے سنتے تھے اور تسلی بخش جواب دیتے تھے۔

"ماموں جان، شتر مرغ کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ جب کسی شکاری کو دیکھتا ہے تو اپنی گردن ریت میں دبا لیتا ہے۔" مصعب بولا۔

"ہاں اس لیے کہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ اب اسے کوئی نہیں دیکھ رہا۔" عکاشہ نے فوراً کہا۔

"نہیں، نہیں ایسی کوئی بات نہیں، شتر مرغ ایسا نہیں سمجھتا بلکہ حقیقت صرف یہ ہے کہ وہ آرام کرتے وقت اپنی گردن زمین پر جھکا لیتا ہے۔" ماموں جان نے مسکرا کر وضاحت کی۔

"ماموں جان! آپ کا پسندیدہ پرندہ کون سا ہے؟" خزیمہ نے پوچھا۔

"شتر مرغ، یہ دنیا کا سب سے بڑا پرندہ ہے۔" انہوں نے جواب دیا۔

"اس کا نام کتنا عجیب سا ہے!"

"اس پرندے کو شتر مرغ اس لیے کہتے ہیں کہ قد و قامت اور چال ڈھال میں اونٹ جیسا ہوتا ہے مگر اس کے باوجود پردار جانور ہے۔ فارسی زبان میں شتر کے معنی اونٹ کے ہیں اور مرغ کا مطلب ہے پرندہ، بس اسی لیے اس کو شتر مرغ کہتے ہیں۔ یہ دنیا کا سب سے بڑا پرندہ ہے یہ اپنے بھاری بھر کم جسم کی وجہ سے اُڑ نہیں سکتا۔ جب یہ خطرہ محسوس کرتا ہے تو تیزی سے بھاگ کر دور چلا جاتا ہے۔"

"اوہ! تیزی سے بھاگ کر۔" عکاشہ نے حیرت سے کہا۔

"ہاں اس کی ٹانگیں مضبوط ہوتی ہیں اس کا سر چھوٹا، گردن لمبی ہوتی ہے اگر اسے گھیر لیا جائے تو ڈٹ کر مقابلہ کرتا ہے۔"

"ڈٹ کر، مگر وہ کیسے؟ سینگ تو ہوتے نہیں اس کے۔" عکاشہ نے پوچھا۔

"مقابلہ کرتے وقت یہ اپنے تیز ناخن ہتھیار کے طور پر استعمال کرتا ہے۔" ماموں جان نے جواب دیا۔

"ماموں جان، اس کے پر کچھ عجیب سے دکھائی دیتے ہیں۔ میں نے اس کو چڑیا گھر میں دیکھا تھا۔" مصعب بولا۔

"اس کے پاؤں کھُر نما ہوتے ہیں۔ بہت عرصہ قبل اس کے پاؤں میں چار انگلیاں ہوا کرتی تھیں اب بس دو ہوتی ہیں۔ دو انگلیاں ختم ہو چکی ہیں مگر پاؤں کو غور سے دیکھ تو اُن میں ختم ہو جانے والی انگلیوں کے آثار ابھی بھی دکھائی دیتے ہیں۔"

"ماموں جان! شتر مرغ ایک بہت قدیم پرندہ ہے نا!" خزیمہ نے تصدیق چاہی

"ہاں بیٹا! یہ بہت قدیم پرندوں میں سے ہے۔ یہ اُن پرندوں میں سے ہے جن کی نسل ابھی تک محفوظ ہے۔ اس کا اصل وطن افریقا اور عرب کے ریگستان ہیں۔ یہ آسٹریلیا، نیوزی لینڈ، جنوبی امریکا اور ایشیا کے بعض حصوں میں بھی پایا جاتا ہے۔" ماموں جان بولے۔

"آپ کہہ رہے تھے نا کہ یہ اونٹ کی طرح ہوتا ہے لمبا چوڑا۔"

"ہاں بیٹا اس کا قد 6 تا 8 فٹ ہوتا ہے۔ گردن اور ٹانگیں بہت لمبی ہوتی ہیں۔ اس کے بازو کمزور ہوتے ہیں۔ اس کا وزن سو سے ڈیڑھ سو کلو گرام ہوتا ہے۔ بھاگتے وقت اس کی رفتار بے حد تیز ہوتی ہے۔ عام طور پر یہ 30 سے 35 میل فی گھنٹا کی رفتار سے دوڑ لیتا ہے۔"

"اُف اتنا تیز۔" خزیمہ نے حیران ہو کر کہا۔

"ہاں، شتر مرغ انسان کو بھی اپنی پشت پر بٹھا کر تیزی سے دوڑ سکتا ہے۔ یہ سیدھا بھاگنے کی بجائے لہرا کر دوڑتا ہے اور ہر لحظہ دائیں بائیں مڑتا ہے۔"

"اوہ! اس صورت میں تو سوار کو بہت چوکس اور ہوشیار ہو کر بیٹھنا پڑتا ہو گا ورنہ وہ کسی بھی لمحے گر جائے گا۔"

"بالکل! ایسا ہی ہے۔ سوار کو ہر لحظہ گرنے کا خطرہ رہتا ہے۔"

"ماموں جان! یہ خود اتنا بڑا ہے تو اس کے انڈے؟؟"

"اس کی مادہ ایک وقت میں 10 سے 20 انڈے دیتی ہے ایک انڈے کا وزن تقریباً ڈیڑھ کلو گرام ہوتا ہے۔ شتر مرغ کا انڈا دنیا میں موجود تمام پرندوں سے بڑا ہوتا ہے۔"

"مگر اس کا یہ اتنا بڑا انڈا بھی اس کے اپنے وزن کی مناسبت سے تو تقریباً سواں حصہ بنا۔" مصعب بولا۔

"ہاں اگر یہ اس لحاظ سے دیکھیں تو تمام پرندوں میں سب سے چھوٹا انڈا ہوا۔ یعنی اس کے اپنے وزن کی مناسبت کے اعتبار سے۔" ماموں جان ہنسے پھر بولے۔ "مادہ شتر مرغ انڈے دیتی ہے اور ان کو سینے کا کام نر شتر مرغ کرتے ہیں۔ انڈے دینے کے بعد مادہ شتر مرغ اُن کو تین حصوں میں تقسیم کر دیتی ہے۔"

"تین حصوں میں۔ وہ کیوں؟" خزیمہ بولا۔

"ایک حصہ زمین میں دفن کرتی ہے۔ دوسرا حصہ دھوپ میں رکھتی ہے اور تیسرے حصے کو نر شتر مرغ کے سینے کے لیے چھوڑ دیتی ہے۔"

"اچھا پھر!!"

"جب انڈوں سے بچے نکل آتے ہیں تو نر شتر مرغ دھوپ والے انڈوں کو توڑ کر بچوں کو پلاتا ہے۔ جب وہ ختم ہو جاتے ہیں تو ریت میں دفن کیے ہوئے انڈوں کو نکال کر ان میں سوراخ کر دیتا ہے۔ اس میں سے نکلنے والے مواد کو کھانے کے لیے چیونٹیاں اور دوسرے کیڑے مکوڑے جمع ہو جاتے ہیں۔ شتر مرغ انہیں پکڑ پکڑ کر اپنے بچوں کے آگے ڈالتا ہے جسے وہ شوق سے کھاتے ہیں۔" ماموں جان نے وضاحت کی۔

"کتنی عجیب بات ہے ناں!!" عکاشہ نے حیرت سے کہا پھر بولا۔

"ماموں جان آپ نے کبھی شتر مرغ کا گوشت کھایا ہے؟"

"ہاں کیوں نہیں، اس کا انڈا بھی کھایا ہے۔ اس کا گوشت تو بے حد مزے دار ہوتا ہے اور طاقتور بھی ہوتا ہے۔"

"ماموں جان اس کی گردن اتنی لمبی کیوں ہوتی ہے؟"

"اس کی لمبی گردن بہت کام کی ہے۔ شتر مرغ ہر وقت چوکنا رہتا ہے۔ یہ اپنی لمبی گردن سے اپنے دشمن کو دور سے ہی دیکھ لیتا ہے۔ یوں یہ ہوشیار ہو جاتا ہے۔" ماموں جان نے مسکرا کر کہا۔

"مصعب، خزیمہ، عکاشہ۔۔۔ چلو بھئی۔۔۔ کھانا کھانے آجاؤ اپنے ماموں جان سے بھی کہو کہ آجائیں، کھانا تیار ہے۔" امی جان کی دور سے آواز آئی۔

"جی امی جان!" تینوں بچے اٹھ کھڑے ہوئے۔ ماموں جان بھی مسکراتے ہوئے بچوں کے پیچھے پیچھے باہر نکل آئے۔

تینوں بچے سوچ رہے تھے کہ آج ماموں جان نے باتوں ہی باتوں میں اُن کو کتنی معلومات فراہم کیں۔ اللہ تعالیٰ نے کتنی عجیب و غریب مخلوقات پیدا فرمائی ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ انسان ہی غور و فکر نہیں کرتا۔

بچوں کے فن پارے

حمنہ سہیل
12 سال کلاس 7 نخلہ اسکول کراچی

عنایا رضا
مونٹیسوری، ڈگری سندھ

حور عین فاطمہ
ڈگری

ماہم ناصر
گلشن اقبال

محمد منیب
ششم فیز ٹو ڈی ایچ اے

عبد المحصی
جامعہ بیت السلام حفظ، کراچی

ہبہ ششم، فیز ٹو ڈی ایچ اے

پیارے بچو!

پیارے بچوں۔۔۔۔!

یقیناً ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں بہت مزہ دے رہی ہوں گی۔۔۔

سردی کے آتے ہی چہروں پر مسکراہٹ آجاتی ہے۔۔۔سردی اللہ پاک کا بہت ہی خوب صورت تحفہ ہے۔۔۔۔اور اس تحفے کی ہمیں قدر بھی کرنی چاہیے۔۔۔کیا آپ کو معلوم ہے اللہ پاک کو سردی کی عبادت بہت پسند ہے۔۔۔

ایک بہت ہی خوب صورت حدیث سنیے۔۔۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: "میں نے حق تعالیٰ شانہ کی بہترین صورت میں زیارت کی مجھ سے ارشاد ہوا کہ "محمد صلی اللہ علیہ وسلم! فرشتے کس چیز میں جھگڑ رہے ہیں۔" میں نے عرض کیا "مجھے تو علم نہیں"

حق شانہ نے اپنا دست مبارک میرے سینے پر رکھ دیا جس کی ٹھنڈک سینے کے اندر تک محسوس ہوئی اور اس کی برکت سے تمام عالم مجھ پر منکشف ہو گیا۔۔۔پھر مجھ سے ارشاد ہوا: "اب بتاؤ فرشتے کس چیز میں جھگڑ رہے ہیں۔۔۔" میں نے عرض کیا کہ درجہ بلند کرنے والی چیزوں میں۔اور ان چیزوں میں جو گناہوں کا کفارہ ہوتی ہیں اور جماعت کی نماز کی طرف جو قدم اٹھتے ہیں ان کے ثواب میں اور سردی کے وقت وضو اچھی طرح سے کرنے کے فضائل میں۔اور ایک نماز سے دوسری نماز تک انتظار میں بیٹھے رہنے کی فضیلت میں" دیکھا پیارے بچوں۔۔۔سردی کے وقت اچھی طرح جب وضو کرتے ہیں تو اس کے ثواب کے فضائل کے لیے فرشتے جھگڑا کر رہے ہیں تو کتنا اجر اللہ پاک نے رکھا ہے۔۔۔تو ہمیں بھی چاہیے کہ سردیوں میں اچھے طریقے سے وضو کر کے پانچ وقت کی نماز کا اہتمام کریں اور یہ اجر و ثواب پالیں۔۔

تو کرتے ہیں نا پیارے بچے وعدہ!!!

ماہنامہ فہم دین فروری 2021ء کے سوالات

سوال نمبر 1 بندر میاں کیوں اداس تھے؟

سوال نمبر 2 بوبی کی کیا بری عادت تھی

سوال نمبر 3 صلاح الدین کے بیٹے کلیم کو کیا اچھا لگتا تھا؟

سوال نمبر 4 پانی کا گلاس رکھنے کے بعد بکیر کو چارپائی کے نیچے کیا نظر آیا؟

سوال نمبر: 5 کون سے استاذ تھے جن کے شاگرد انھیں گرداعمش کہتے تھے

اکتوبر 2020ء کے سوالات کے جوابات

جواب نمبر 1 ہم سوئے ہوؤں کو جگا رہے ہیں۔۔

جواب نمبر 2 پانی کی تلاش میں گئے تھے

جواب نمبر 3 تیز سیٹی نما آواز نکالتی ہیں۔۔

جواب نمبر 4 آزاد ہونے کے لیے مرنا پڑتا ہے۔۔

جواب نمبر 5 ایسی نیکی کرنے کے لیے جو ہمیشہ اس کے پاس رہے۔

اکتوبر 2020ء کے سوالات کا درست جواب دے کر انعام جیتنے والے تین خوش نصیبوں کے نام

- محمد بن خرم شہزاد کراچی
- منہاج الرب کراچی
- فریدہ وحید کراچی

ان تینوں میں سے ہر ایک کو 300 روپے نقد اور ماہ نامہ فہم دین مبارک ہو

پیارے بچو!

- انعامی سوالات کے جوابات یا اپنے فن پارے آپ ڈاک سے بھی بھیج سکتے ہیں، ای میل بھی کر سکتے ہیں اور دیے گئے نمبر پر وٹس ایپ بھی کر سکتے ہیں۔
- سوالات کے جوابات ہوں، یا پیارا سا فن پارہ اس پر اپنا نام، عمر، پتا، کلاس، اسکول / مدرسے کا نام اور رابطے کے لیے فون نمبر ضرور لکھیں۔
- اس صفحے پر پوچھے جانے والے سوالات کے جوابات تین شمارے چھوڑ کر چوتھے شمارے میں شائع کیے جاتے ہیں۔

وٹس ایپ کے لیے نمبر نوٹ کر لیں 0316 2339088

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم

اے وادیٔ کشمیر

حضرت شیخ الاسلام نے جون 1965 میں کشمیر پر یہ نظم کہی تھی

تو حسن کا پیکر ہے، تو رعنائی کی تصویر
مخمور بہاروں کے حسیں خواب کی تعبیر
رخشاں ہے ترے ماتھے پہ آزادی کی تنویر
تو جلوہ گہِ نورِ جہاں، نورِ جہاں گیر

اے وادیٔ کشمیر! اے وادیٔ کشمیر!
ہر لحہ مچلتی ہیں ترے من میں بہاریں
مے خانہ در آغوش درختوں کی قطاریں
چشموں کے ترانے ہیں کہ ساون کی ملہاریں
ندیوں میں تری نغمۂ آزادی کی تفسیر

اے وادیٔ کشمیر! اے وادیٔ کشمیر!
کیوں تیری فضاؤں پہ اُداسی کے نشاں ہیں
بکھرے ہوئے گلزار بھی کیوں محوِ فغاں ہیں
چشمے ترے کیوں نالہ کش و نوحہ کناں ہیں
کہسار ترے کیوں ہیں جگر بستہ و دلگیر

اے وادیٔ کشمیر! اے وادیٔ کشمیر!
شاید تجھے مسلم کی وفاؤں سے گلہ ہے
فریاد تری سچ ہے، ترا شکوہ بجا ہے
لیکن مرے محبوب وہ وقت آن لگا ہے
گونجے گا فضاؤں میں جب اک نعرۂ تکبیر

اے وادیٔ کشمیر! اے وادیٔ کشمیر!
مانا کہ دلوں میں وہ تب و تاب نہیں ہے
اس قوم کی تلوار میں وہ آب نہیں ہے
اب عزم مسلماں بھی وہ سیلاب نہیں ہے
گردش میں ہے برسوں سے مری قوم کی تقدیر

اے وادیٔ کشمیر! اے وادیٔ کشمیر!
مانا تری مٹی پہ بہت خون بہا ہے
تو نے غم و آلامِ غلامی کو سہا ہے
لیکن میرے ہمدم! مرا دل بول رہا ہے
ہمت کی حرارت سے پگھل جائے گی زنجیر

اے وادیٔ کشمیر! اے وادیٔ کشمیر!
تکبیر کا نعرہ تری عصمت کا امیں ہے
چھٹنے کو ہے تاریکیٔ غم، مجھ کو یقیں ہے
کیا ظلمتِ شب صبح کی تمہید نہیں ہے؟
کیا خونِ شفق رنگ نہیں خردۂ تنویر؟
اے وادیٔ کشمیر! اے وادیٔ کشمیر!

اب وقت ہے سینوں میں عزائم کو جگالیں
ہم جام و سبو توڑ کے تلوار اٹھالیں
ہر راہِ گلستاں کو کمیں گاہ بنالیں
کمزور ہے، لیکن ابھی ٹوٹی نہیں شمشیر

اے وادیٔ کشمیر! اے وادیٔ کشمیر!

ہیں یاد ابھی خالدؓ و طارقؒ کے فسانے
کچھ دور نہیں احمدؒ و ٹیپوؒ کے زمانے
اٹھو، کہ چلیں ظلم کو دنیا سے مٹانے
پھر زندہ کریں دہر میں یہ اسوۂ شبیرؓ

اے وادیٔ کشمیر! اے وادیٔ کشمیر!

ہم کو ترے شاداب نظاروں کی قسم ہے
جہلم کے دلآویز کناروں کی قسم ہے
پھولوں کی، درختوں کی، چناروں کی قسم ہے
کاٹیں گے ترے پاؤں سے ہر ظلم کی زنجیر

اے وادیٔ کشمیر! اے وادیٔ کشمیر!

سر حرمتِ توحید پہ کٹوا کے رہیں گے
ہم کفر کے طوفان سے ٹکرا کے رہیں گے
طاغوت کے ایوان کو اب ڈھاکے رہیں گے
پیوندِ زمیں ہوگی ہر اک کفر کی تعمیر

اے وادیٔ کشمیر! اے وادیٔ کشمیر!

اک غلغلۂ نعرۂ تکبیر اٹھا کر
یہ برقِ تپاں خرمنِ باطل پہ گرا کر
توپوں سے برستے ہوئے شعلوں میں نہا کر
ہم خون سے لکھیں گے تری آزادی کی تحریر

اے وادیٔ کشمیر! اے وادیٔ کشمیر!

دشمن کے عزائم تری مٹی میں ملیں گے
مدت سے جو رِستے ہیں ترے زخم، سلیں گے
اس خاک پہ الفت کے حسیں پھول کھلیں گے
صیّاد جو اب تک تھا وہ بن جائے گا نخچیر

اے وادیٔ کشمیر! اے وادیٔ کشمیر!

پھوٹیں گے تری خاک سے پھر نور کے دھارے
ظلمت کدۂ کفر سے اٹھیں گے شرارے
گونجے گی اذانوں کی صدا ڈل کے کنارے
پھر جاگ اٹھے گی تری سوئی ہوئی تقدیر

اے وادیٔ کشمیر! اے وادیٔ کشمیر!

تو خاتم دنیا کا اک انمول نگیں ہے
تو حسن کا مسکن ہے، بہاروں سے حسیں ہے
آسیؔ کی نگاہوں میں تو فردوسِ زمیں ہے
فردوس تو ہوتی نہیں شیطاں کی جاگیر

اے وادیٔ کشمیر! اے وادیٔ کشمیر!

(بشکریہ گوشہ تنہائی)

گلدستہ

ترتیب وپیش کش: ابوبکر، عبدالرحمان، منتظم جامعہ بیت السلام کراچی

حمدِ ربِ ذوالجلال

صدق احساس کی دولت مرے مولا ! دے دے
غم امروز بھلا دے غم فردا دے دے

دھن کچھ ایسی ہو فراموش ہو اپنی ہستی !
دلِ دیوانہ و سودائی و شیدا دے دے

اپنے میخانے سے اور دستِ کرم سے اپنے
دونوں ہاتھوں میں مرے ساغر و مینا دے دے

کھول دے میرے لیے علم حقیقت کے در
دل دانا ' دل بینا ' دل شنوا دے دے

قول میں رنگ عمل بھر کے بنا دے رنگیں
لب خاموش بنا کر دل گویا دے دے

دل بے تاب ملے دیدہ پر آب ملے
تپ آتش مجھے دے دے نم دریا دے دے

درد دل سینے میں رہ رہ کے ٹھہر جاتا ہے
جو نہ ٹھہرے مجھے وہ درد خدایا دے دے

سید سلمان ندوی

نعت

ایمان کی ہے جان محبت رسول کی
ہے فرض عین سب پہ اطاعتِ رسول کی

سجدے میں سر ہے لب پہ دعا چشم اشکبار
اللہ رے! وہ شان عبادت رسول کی

قرآن کی شرح آپ کا خلق عظیم ہے
اللہ کی کتاب ہے سیرتِ رسول کی

والشمس روئے پاک ہے واللیل زلفِ یار
صَلِّ عَلٰی وہ شکل و شباہت رسول کی

قول و عمل نبی کا ہے معیار زندگی
فطرت کا آئینہ ہے شریعتِ رسول کی

یا رب بروز حشر تری مغفرت کے ساتھ
ماہر کو ہو نصیب شفاعت رسول کی

ماہر القادری

دین پر مصیبت کا اثر

میں اس وقت اعمال دین کے اختلال پر متنبہ کرنا چاہتا ہوں کہ مصیبت کا اثر دین پر یہ پڑتا ہے کہ معمولات میں اختلال ہو جاتا ہے انسان مصیبت سے پہلے جن اوراد کا پابند ہوتا ہے مثلاً ذکر و شغل یا نماز وتلاوت قرآن وغیرہ کا۔ مصیبت کے وقت ان سب میں گڑبڑ ہو جاتی ہے۔ حتی کہ بعض تو فرائض وواجبات کو بھی ناغہ کر دیتے ہیں اور جو دین دار کہلاتے ہیں وہ فرائض وواجبات کو تو ترک نہیں کرتے مگر معمولات زائدہ کو وہ بھی ناغہ کر دیتے ہیں اور ناگوار واقعات کا اثر بہت سخت ہے کیوں کہ یہ دین کا ضرر ہے اور مسلمان کے نزدیک دین دنیا سے مقدم ہے اس لیے اس کا ضرر بھی دنیا سے اشد ہے اور اس پر متنبہ کرنے کی ضرورت اس لیے ہے کہ دین کا ضرر امر محسوس نہیں فرض نماز یا تہجد یا ذکر تلاوت قرآن کے ناغہ کرنے سے کوئی ظاہری آمدنی بند نہیں ہوتی تو اس کے ضرر کا احساس بھی جلد نہیں ہوتا۔ نیز اس ضرر پر کوئی عزیز یا خیر خواہ بھی متنبہ نہیں کرتا۔

(حکیم الامت حضرت تھانوی علیہ الرحمہ کی تصنیف فضائل صبر وشکر سے انتخاب)

رشتوں کے توڑنے سے زندگی پر برے اثرات

اس وقت مسلمان میں زوال واد بار کی جو کھلی ہوئی علامتیں اور بے برکتی، نحوست ورسوائی بدنامی وجگ ہنسائی کے قومی اسباب پائے جاتے ہیں۔ ان میں تعلقات کی کشیدگی، قطع رحمی اور اس سے آگے بڑھ کر ناچاقی، عداوت ایک دوسرے کی عزت کے درپے ہونا اور اس کو خاک میں ملانے کی کوشش کرنا۔ ان کے نتیجے میں خاندان اور گھر جنت کی بجائے جہنم کا نمونہ بنے ہوئے ہیں۔ زندگی کا لطف اور اجتماعی زندگی بلکہ اسلامی زندگی کی بھی کوئی برکت نظر نہیں آتی۔ ضرورت ہے کہ اس شعبے کی طرف پوری توجہ کی جائے۔ اُس کے بغیر زندگی کی چول صحیح طور پر نہیں بیٹھتی اور عبادت و تعلق باللہ میں بھی قوت وقبولیت نہیں پیدا ہوتی۔

خطبات علی میاںؒ جلد چہارم، صفحہ: 149

آپ کے اشعار

ساحل پہ رہ کے ہم کو فقط ریت ہی ملی
ہم ڈوبتے تو گوہر نایاب دیکھتے
اختر ہوشیار پوری

سحر نہ پیدا ہوئی ہو کسی بھی رات کے بعد
کسی کتاب میں ایسی کوئی مثال دکھا
افضل احسن رندھاوا

کہانی میری رودادِ جہاں معلوم ہوتی ہے
جو سنتا ہے اسی داستاں معلوم ہوتی ہے
سیماب اکبر آبادی

سیف یہ دن تو قیامت کی طرح گزرا ہے
جانے کیا بات تھی ہر بات پہ رونا آیا
سیف الدین سیف

چاک کو تقدیر کے ممکن نہیں کرنا رفو
سوزن تدبیر گو ساری عمر سیتی رہے
مرزا محمد رفیع

جھکی ذرا چشم جنگجو بھی، نکل گئی دل کی آرزو بھی
بڑا مزہ اس ملاپ کا ہے جو صلح ہو جائے جنگ ہو کر
داغ دہلوی

بنتے ہیں غیر اپنے ہوتے ہیں رام وحشی
الفت کی بھی جہاں میں کیا حکمرانیاں ہیں
الطاف حسین حالی

ہوائیں زور کتنا ہی لگائیں آندھیاں بن کر
مگر جو گھر کے آتا ہے وہ بادل چھا ہی جاتا ہے
جوش ملیح آبادی

سنے جاتے نہ تھے تم سے میرے دن رات کے شکوے
کفن سرکاؤ، میری بے زبانی دیکھتے جاؤ
فانی بدایونی

دنیا میں زندگی سے نہیں مطمئن کوئی
دنیا میں کوئی جینے سے بے زار بھی نہیں
حبیب احمد

آپ دنیا کو کیا دے سکتے ہیں؟

ہماری صلاحیتیں اور مہارتیں اس وقت تک بے کار ہیں جب تک ان سے دنیا فائدہ نہ اٹھا سکے۔ انسانی تاریخ میں وہی لوگ ذہین و فطین اور کامیاب مانے گئے ہیں، جنہوں نے اپنی شخصیت اور فطری صلاحیتوں کی دریافت کے بعد ان صلاحیتوں کے ذریعے دنیا کو فائدہ پہنچایا۔ لہٰذا آپ کی اپنی تلاش کے بعد آپ کا سب سے بڑا کام یہ ہونا چاہیے کہ آپ اس سوال پر غور کریں کہ "میں اپنی صلاحیتوں کے ذریعے انسانیت کو کیا فائدہ پہنچا سکتا ہوں؟"

پہلے مرحلے میں جب آپ اپنی شخصیت کو کھوجتے ہیں تو آپ حقیقی خوشی کا منبع تلاش کر لیتے ہیں۔ دوسرے مرحلے پر جب آپ دنیا کے لیے فائدہ رساں بن جاتے ہیں تو آپ کی یہ خوشی کئی گنا بڑھنا شروع ہو جاتی ہے۔ اپنے آپ سے پوچھیے کہ "آپ دنیا کی ضروریات کیوں کر پوری کر سکتے ہیں؟" جب آپ کو اس سوال کا جواب مل جائے گا تو آپ کو احساس ہو گا کہ آپ اپنی زندگی کسی مقصد کے ساتھ گزار رہے ہیں۔ یہ احساس آپ کو توانائی فراہم کرے گا اور آپ خوشی خوشی زندگی کے مسائل و مشکلات سے نمٹنے کے لیے تیار رہیں گے۔

(سید قاسم علی شاہ کی کتاب اپنی تلاش سے انتخاب)

بہترین

- بہترین عقیدہ وہ ہے جو اللہ کا بندہ بنا دے۔
- بہترین عشق وہ ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا شیدائی بنا دے۔
- بہترین تاریخ وہ ہے جو صحابہ کرامؓ، تابعین اور سلف صالحین کا گرویدہ بنا دے مگر عشق اور شرک میں ہمیشہ سے واضح فرق رہا ہے۔

(شورش کاشمیری)

اپنی ماں کے پاؤں پکڑ کر معافی مانگو

میرے ایک دوست ہیں جو مغلوب الغضب ہیں، غصے کے بہت تیز ہیں، یہاں تک کہ اگر ماں نے بھی کچھ کہہ دیا تو ماں پر غصہ کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ مجھ سے بار بار پوچھتے رہتے ہیں کہ فجر کی نماز میں کیا ذکر کروں، ظہر کی نماز میں کیا تسبیحات پڑھوں۔ میں نے اس سے کہا کہ تم کچھ مت کرو، پہلا کام یہ کرو کہ ماں کے پاس جا کر اس کے پاؤں پکڑ کر معافی مانگو اور کہو: "مجھ سے غلطی ہو گئی، مجھے معاف کر دو۔" میری یہ بات سن کر تعجب سے کہنے لگے: "اچھا حضرت! میں معافی مانگوں یہ تو بڑا مشکل کام ہے۔" میں نے کہا: "یہ تو تمہیں کرنا ہو گا، جا کر معافی مانگو اور پاؤں پکڑو اور یہ کام سب بہن بھائیوں کے سامنے کرو۔" کہنے لگے: "یہ بڑا مشکل ہے۔" میں نے کہا: "کچھ بھی ہو جائے، لیکن تم یہ کام کرو۔" ان کو یہ عمل بہت شاق گزر رہا تھا کہ میں اپنے تمام بہن بھائیوں کے سامنے ماں سے معافی مانگوں۔ لیکن انہوں نے جا کر یہ کام کیا جب واپس آئے تو مجھ سے کہا: "کیا بتاؤں اس وقت میرے سینے پر سانپ لوٹ گئے، آرے چل گئے۔" میں نے کہا: "میرا بھی یہی مقصد تھا۔ جب دو چار مرتبہ یہ کام ان سے کرایا تو طبیعت اعتدال پر آ گئی۔" (شیخ الاسلام حضرت مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم کے خطبات سے اقتباس اسلام اور ہماری زندگی جلد نمبر 51)

بیت السلام ویلفیئر ٹرسٹ کے زیر اہتمام مستحق ضرورت مندوں کے لیے

موسم سرما ریلیف

رپورٹ: خالد معین

بیت السلام ویلفیئر ٹرسٹ ہر سال موسم سرما میں اندرون و بیرون ملک مستحق ضرورت مندوں تک کمبل، گرم کپڑے، جرسیاں وغیرہ پہنچانے کا اہتمام کرتا ہے۔ اس سال بھی موسم سرما شروع ہونے سے کچھ پہلے ہی یہ مہم شروع کر دی گئی تھی۔ چناں چہ اندرون و بیرون ملک 20 ہزار سے زیادہ کمبل تقسیم کیے گئے۔ جب کہ ہزاروں افراد میں زنانہ، مردانہ، بچگانہ سلے سلائے اور ان سلے گرم کپڑے، جرسیاں، گرم چادریں اور موزے تقسیم کیے گئے۔

اس سلسلے میں بیت السلام کے زیر اہتمام تعلیمی خدمات انجام دینے والے سینکڑوں بنیادی تعلیمی مراکز نے ہمیشہ کی طرح اہم کردار ادا کیا ہے۔ ان مراکز کے اساتذہ اور نگران حضرات پورے اہتمام سے مستحق ضرورت مند خاندانوں کی فہرست بنا کر رکھتے ہیں اور مرکزی دفتر کی ہدایت کے مطابق چاروں صوبوں، آزاد کشمیر اور شمالی علاقہ جات کے علاوہ بیرون ملک مستحق ضرورت مندوں تک یہ سامان پورے عزت و اکرام سے پہنچایا جاتا ہے۔ یہ ضرورت مند مستحق خاندان بیت السلام اور ان اہل خیر کے لیے دعا گو ہوتے ہیں، جن کی خدمت عزت و اکرام کے ساتھ ذمے داری سمجھ کر نابیت السلام اور اس کے معاون اہل خیر کا شیوہ ہے۔

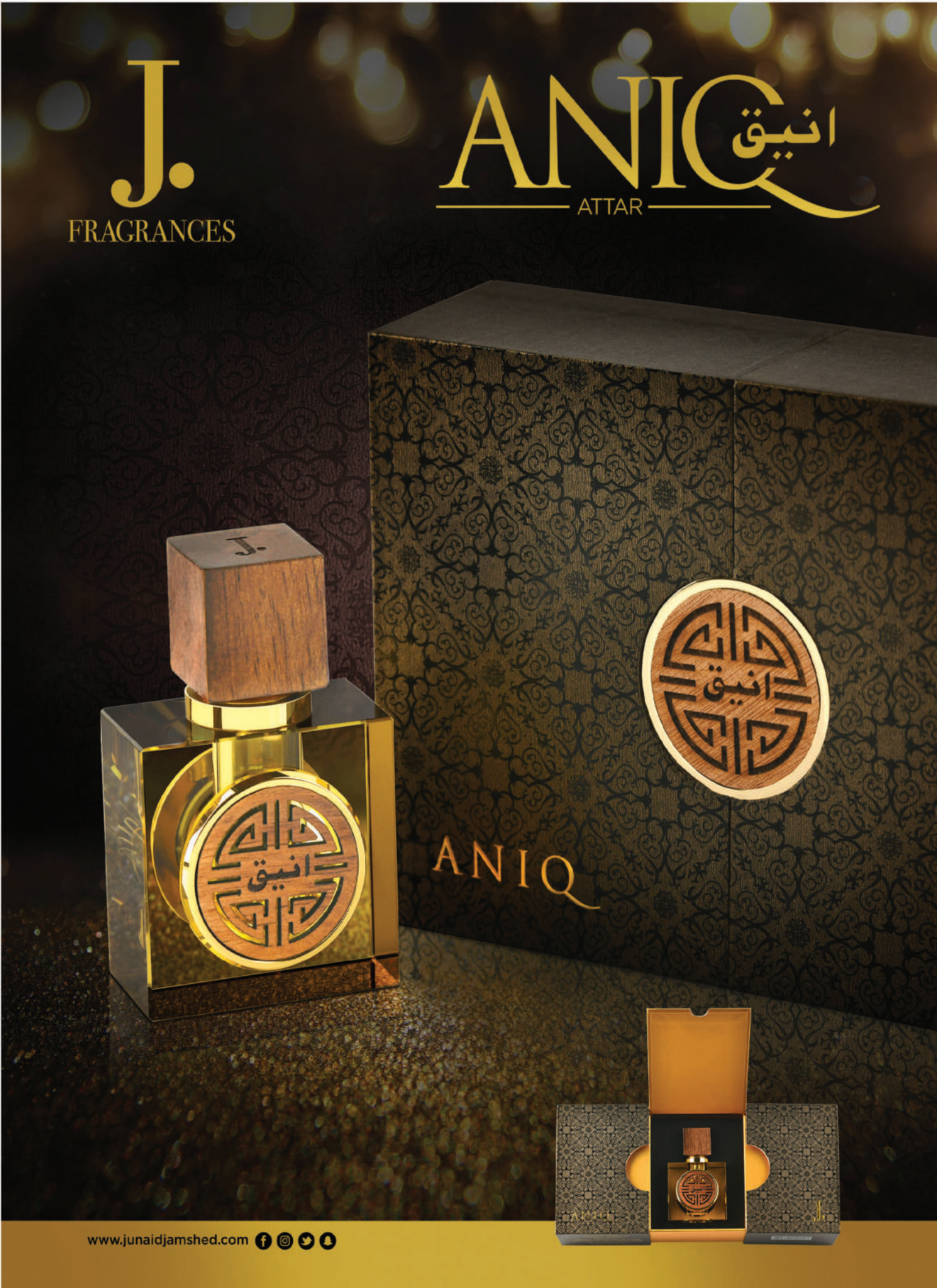

J.
FRAGRANCES
ANIQ انيق
ATTAR
J.
انيق
انيق
ANIQ
www.junaidjamshed.com

BAITUSSALAM

سردی سے ٹھٹرتی
انسانیت کی مدد

في كمبل
Rs.900/=

Baitussalam.org Baitussalam_org Baitussalam_org +9221-111-298-111